

آؤ لوگو کہیں نور خدا پاؤ گے ۛ لوہتین طور شتی کا بتایا ہم نے

یوہنا ۛ دیکھنا اہل تطیع

جلد ۛ بابت ماہ جون ۛ ۛ ۛ نمبر ۛ

فہرست مضامین

ۛ عیب نبی اور زندہ نبی ۛ ۛ ۛ	ۛ فحانوں اور کشمیریوں کی صل ۛ ۛ
ۛ مسیح موعود کی ایک تقریر کا خلاصہ ۛ ۛ	ۛ یسوع کی صلیبی موت پر علمی نظر ۛ ۛ

قادیان ضلع گورداسپور سے ۛ- جون ۛ ۛ کو شائع ہوا ۛ چندہ سالانہ اردو پریچہ ۛ ۛ

”تفسیر سورہ جمعہ“

نور فرقان ہے جو سب نوروں سے اجلا نکلا۔ پاک وہ جس سے یہ انوار کا دریا نکلا
یا الہی تیرا فرقان ہے کہ اک عالم ہے جو ضروری تھا وہ اس میں مہیا نکلا
سب جہان چھان چکساری دکانیں کھیر دے عرقان کا یہی ایک شیشہ نکلا
کس سے اس نور کی ممکن ہے جہانیں شیشہ وہ تو ہر بات میں ہر صف میں نکلا

”اعلان“

مجھے اس رسالہ کے متعلق کچھ کہنے کی خصوصاً احمدی جماعت کو ترغیب خریداری کے لئے مطلق ضرورت
نہیں کیونکہ وہ محض بفضل خداوند کریم و البقیل سیدنا جناب حضرت مسیح موعودؑ نوراً من اللہ الاصل الصمد آلا
کریم کی غفلت اور اسکو سمجھ کر پڑھنے کی ضرورت اور فائدے کو ایک حد تک بخوبی سمجھنے لگی ہے۔ مگر انکی حد تک
صرف اتنا ہی عرض کر دینا ہے کہ اول تو یہ کلام پاک حضرت خداوند احدیت سے دوام اسکا مفسر بنو پایہ کا وہ
منظیر شخص ہے جسکی علمی قابلیت علمی خصوصیت احمدی جماعت کو علاوہ فی الف ہندوستان میں بلکہ اکثر بلاد
غیر میں بھی مسلم ہو۔ سوئم یہ سورہ پاک جسکی تفسیر کا اعلان آپ کے رویہ رہی۔ کلام خداوند کریم الرحمن الرحیم کا وہ عجیب
غریب ہے جسکا پڑھنا سمجھنا سمجھنا یاہر ایک مومن کی زندگی کا پہلا فرض معلوم ہوتا ہے جو خود غسر سوہ صوف و خدا کی
لاکھ لاکھ رحمتیں لگو شامل ہوں) نے اس سورہ مبارک کی تفسیر کرتے ہوئے در دل سے کچھ فرمایا ہے وہ یہ تفسیر
میں ملاحظہ فرمائیگا اسکے بعد خدا تعالیٰ کے فضل سے اگر آپکا دل رقت اور جوش سے گواہی دے گا تو اس بات کی ضرورت
محسوس ہوگا اسکی اشاعت کی ملک میں ہیج ضرورت ہے تو آپکا یہ سب کا اہم فرض ہو چکا ہے کہ تفسیر آپ سے ہو کر
خواہ خود خرید کر خواہ ترغیب و کیر خواہ اعلان کر کے اپنی تمام دوستوں ملاقاتیوں۔ رشتہ داروں۔ عزیزوں وغیرہ
کے ہاتھ اسکی ایک ایک کاپی پہنچا دیں۔ والسلام۔ و ما علینا الا البلاغ۔

قیمت ہر کاپی نقد و حسب ذیل ہے

ایک جلد ۴۰۰۰۰ ایک جلد کے خریدار کو جمعہ محصولہ ایک وغیرہ۔ ہر کاپی کے ذریعہ تقاضہ میں بند کر کے بھیجنا
پانچ جلد ۲۰۰۰۰ ہر جلد کے خریدار کو جمعہ محصولہ ایک وغیرہ۔ ہر کاپی کے ذریعہ تقاضہ میں بند کر کے بھیجنا
دس جلد ۱۰۰۰۰ ہر جلد کے خریدار کو جمعہ محصولہ ایک وغیرہ۔ ہر کاپی کے ذریعہ تقاضہ میں بند کر کے بھیجنا

درخواستیں پتہ ذیل پر آنی چاہئیں

حکیم محمد حسین قریشی۔ کارخانہ رفیق الصحت حویلی کابلی مل لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ و نصلی علی سؤلہ الکریم بے عیب نبی اور زندہ نبی

اس میں ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ اس نبی نے خود کیا دعویٰ کیا اس کی قوم نے اس کی نسبت کیا شہادت دی۔۔۔ اس نے کارروائی کیا کی کیسے وقت میں وہ آیا اور کس حالت میں اس دنیا سے گیا۔ اس نے اپنی دائمی زندگی کا ثبوت اور نشان کیا چھوڑا۔ یہ پانچ باتیں ہیں جن پر ہم فقہراً لکھنا چاہتے ہیں والموفق ہو اللہ سبحانہ و تعالیٰ۔

پہلی شق میں ہم دو طرح پر نظر کرتے ہیں۔ اول یہ کہ وہ کس طرح فوق العادت قوت اور یریں سہا پنے وجود اور اسکے متعلقات کو سوسائٹی کے عرف اور مسلم قوانین کے معیار کے آگے پیش کرتا ہے۔ دوم یہ کہ اخلاق اور روحانیت اور عقائد کے میدان میں کس طرح اپنے تئیں اپنی صداقت اور حقیقت کے دلی حقائق اور بصیرت کے تصور سے جلوہ گر کرتا ہے پہلی بات کے ثبوت کے لئے یہ آیت وقد لبثت فیکم عمراً من قبلہ اقل من ثقلون ایسی لائظیر دلیل ہو کہ کسی مصلح اور مامور کی لایف میں کسی ملت و مذہب کا کیون نہ ہو سکی مثل تلاش کرنا پوری ناکامی اور نامرادی کے ساتھ تھک کر رہ جانا ہے۔

ایک شخص ایک غیور اور جنگی قوم اور بکبر کے خیر سے تیار شدہ قوم کے معروف مسلم عقائد اور صدیوں کی مالوف رسوم اور ان کے قابل عزت معبودوں کی امانت اور بیچ گئی کرتا اور اس اثنا میں انہیں اشتغال پر اشتغال دلاتا ہے کہ ہر قسم کے عرفی پہلوؤں سے اس کا مقابلہ کریں اور اس کے مغلوب کر نیکی کے لئے متفق اور منفرد کوششوں اور منصوبوں کو جمع کریں۔ اور مخالفین بھی رات دن اسی تھک کوشش میں ہیں کہ اس کے طعنے چھلک کر نیکی کے لئے کوئی ایک سوراخ نہیں سے انہیں بجاٹے ایسی حالت میں یہ دعویٰ کرنا کہ میں عمر کا بڑا حصہ یعنی چالیس سال تک اس عظیم الشان دعویٰ سے پہلے تم میں گزار چکا ہوں اقل من ثقلون یعنی اس پر بھی تم اپنی عقول کی طرف رجوع نہیں کرتے کیا تمہاری دانش اور زمانہ کے عرف سے واقف عقلیں اس نتیجہ پر پہنچ نہیں سکتیں کہ اتنے دراز عرصہ تک اور ایسی عمر میں جو جذبات جوانی اور جوش و کمال کا وقت ہوتا ہے کوئی جھوٹ اور افترا اور بددیانتی اور بد چلنی کا کوئی الزام جس شخص کے ذمہ عائد نہ ہو سکتا ہو کیا وہ اب ہی کذب اور افترا کا مرکب ہو گا۔ اس آیت میں عجیب بات یہ ہے کہ مٹی

دعوے کے بعد اپنی صداقت اور حقیقت کے ثبوت اور ذہن نشین کر نیے لئے عقول سلیمہ کے آگے لیبل کرتا ہے اس لیبل سے ایک شخص جو دل کے انفعالات اور کیفیات کا علم رکھتا ہے یقینی طور پر اس نتیجہ پر پہنچ جاتا ہے کہ مدعی کے دلیمن کس زندہ احساس اور ناقابل تردید شے سے یقین اور عرفان بھرا ہوا ہے کہ وہ بے عیب ہے اور وہ یقین رکھتا ہے کہ اس کی زندگی کی کتاب کے اوراق ایسے جلی اور بے باغ ہیں کہ اس کی راستی پر ایمان لانیے لئے اس کا ایک دفعہ مطالعہ کرنا کافی معلّم اور رہنما ہو گا۔

ہم بالفعل اس ہیبت انگیز دعوے کو مذاہب کے حامیوں کے آگے پیش کرتے اور کشادہ دلی سے درخواست کرتے ہیں کہ دلائل سے قطع نظر کر کے وہ اپنی کتابوں سے اپنے مسلم مقتداؤں کے موہنوں اس دعوے کی مثل دکھائیں میں نے بار بار اس میں غور کی ہے کہ خدا تعالیٰ کی مبارک اور زندہ کتاب میں جس نے الہیات کے علوم کے احیاء اور بقا کا ذمہ لیا ہوا ہے اس دعوے کو محفوظ اور مکتوب کہنے سے کیا مدعا ہے اور اس کا تعلق اثبات نبوت سے کیا ہے۔ ان امور میں غور کر نیے بعد میں ہمیشہ لذت اور بصیرت سے اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ایک مدعی کی راستی کو پرکھنے اور اس پر ایمان لانیے لئے اس معیار سے بڑھ کر کوئی معیار نہیں۔ انسان کی فطرت میں علی السواء یہ مادہ رکھا گیا ہے کہ قول کو سننے کے بعد محاسن دل میں یہ گدگدی پیدا ہوتی ہے کہ اسکے قائل کی زندگی کس طرح کی ہے خصوصاً ایسے شخص کی بات سن کر جو کھلے میدان میں دعوے کرتا ہے کہ میں امین ہوں میں پرے درجہ کا دیانت دار ہوں لوگوں کو چاہئے کہ اپنی گرامی قدما مانیتیں جو کسی طرح محفوظ نہ رہ سکتی اور چورون اور ڈاکوؤں کے دستبرد کے خطرہ سے مامون نہ ہوں وہ میرے پاس رکھا کریں۔ میں عند الطلب صحیح و سالم دینے سے دریغ نہیں کروں گا اور اتنی بڑی خدمت کے مقابلہ میں کوئی اجرت اور معاوضہ کسی سے نہیں لوں گا ظاہر ہے کہ انسان کی عادات اور اہل میں یہ ہرگز داخل نہیں کہ ایسے دعوے کو سننے اور بلا تردد ان بلند الفاظ پر سچا ایمان لے آئے۔ بلکہ دیانت کی قدر و قیمت کا احساس اسے مجبور کر لگا کہ مدعی کے گزشتہ اور معرفت چال چلن کی حد سے زیادہ چھان بین کرے۔ ہم عرف میں روزمرہ مشاہدہ کرتے ہیں کہ ایک قرض خواہ کو قرض کا ملنا دشوار ہوتا ہے جب تک قرض دہندہ کو اس کی سیرت کی پاکیزگی کی نسبت پورا اطمینان نہ ہوگا اس کو چہ سے عرف کے باہر فکروں کی غور کر دے کہ ایک شخص یہ دعوے کرتا ہے کہ دین و ایمان کی مانیتیں میرے سپرد کرو۔ اپنی عقلوں اور دانشوں اور علموں اور تجربوں اور ارادوں اور خواہشوں کو میری باتوں کی تسلیم کے مقابل قربان کر دو۔ اس خود مختار رخصی اور نیک و بد کی میز قوت کو جو تمہاری مائے ناز طاقت ہے میرے حکم کے آگے تیز چھری سے فوج کر دو۔ جیسا کہ خدا تعالیٰ کی کتاب کی یہ آیت تعلیم دیتی ہے فلا ربک الا یؤمنون حتی یحکموک فیما تفرق بینہم ثم لا یجدوا فی انفسہم حرجاً مما قضیت ویسلّموا تسلیمًا۔ مجھے اپنی ربوبیت کی قسم جس نے اپنے بڑے مقاصد اور اغراض کے اتمام کے لئے تیری

تربیت کی اور تجھے کامل معلم اور کامل نو نہ بنایا ہے لوگ ایمان میں کامل نہیں ہونگے جب تک اپنے اختلافات اور جھگڑے کی باتوں میں تجھے حکم نہیں بنائینگے پھر ایسا ہو کہ تیرے فیصلہ پر اپنے دلوں میں کوئی تنگی اور گھبراہٹ محسوس نہ کریں اور تسلیم جھکا کر اس پر عمل درآمد کریں۔ بظاہر یہ آیت آزاد میاباک اور میرز مرضی اور اختیار کا خون کرتی ہو اور کس جبر اور حکومت سے ہزاروں مختلف دانشوں اور عقولوں اور بے شمار ذہین جو انوں اور تجربہ کار بوڑھوں کی طبع آزمایی اور فہم و فراست کے پچوڑوں کو ایک انسان کی گفتار پر قربان کرتی ہو یہ ایسی بات ہے کہ انسان کی غیرت منہ طبیعت آسانی سے اسکو اختیار اور قبول نہیں کرتی مشورت اور صلاح کاریوں کے ہوشیو میں رات دن اس اختلاف رائے کی شورا شور یوں کے نظارے دیکھے جاتے ہیں جو مسلم اہل الرائے اور مدبران ملکی کی تقریر و دن کے خلاف برپا کیجاتی ہیں لیکن ان سب کے خلاف ہم دیکھتے ہیں کہ گرم ملک اور پاک آبد ہوا ولے میدان کے غیر مفتوح اور آزاد جلیلی طبیعت کے جو انوں اور تجربہ کار بوڑھوں نے سچا نمونہ اس القیاد اور راجعت کا دکھایا جو اس آیت سے سمجھ جاتی ہو جو غرض دین و ایمان کی امانت بہت زیادہ قدر و قیمت رکھتی ہو۔ پھر دن کی امانت سے جبکہ سپرد کر نیسے پیشتر میں موت کے حالات کی نسبت تا بمقدور مختصر اور مختصر نہیں ضروری سمجھانا ہو یہ آواز و قد لبست فیکم عمر امت قبلہ کیسی قابل قدر اور ضروری ہے اسکے ثبوت کے لئے ہمارے پاس ہمارے زمانہ میں ایک نمونہ موجود ہے۔ ہمارے آقا و مولے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نسبت بھی مدتوں اس سو پہلے براہین احمدیہ میں یہ وحی موجود ہے۔ وقد لبست فیکم عمر امت قبلہ۔ ہم نے عملی زندگی میں اپنے مشاہدہ میں اس دعوے کا اتنا بڑا فائدہ دیکھا ہے کہ اس سے زیادہ تصور میں نہیں آسکتا۔ ۱۸۹۲ء اور ۱۸۹۳ء میں اجتماع کے موقع پر سیکڑوں آدمیوں کے دلوں میں بے اختیار یہ بات گزری کہ قادیان کے لوگوں سے حضرت مسیح موعودؑ کی گذشتہ اور ان کی نگاہوں سے پوشیدہ زندگی کی نسبت دریافت کریں۔ بہت سے تیز طبع زندہ دل نوجوان چاروں طرف اس تلاش اور دھن میں بھیل گئے کسی نے کاٹھنکے سادہ بے شرساتن دھرم بوڑھوں سے کسی نے مسلمان بوڑھوں سے کسی نے ادھر ادھر کے کھیتو میں کام کر نیوالے بوڑھوں سے بعض نے یہاں کے مسلم مخالفوں اور ڈاہ اور حد کے مریض ہم عمر و نشے پوچھا سب نے بے اختیار اور بالاتفاق یہی جواب دیا کہ اس شخص کی زندگی میں ہم نے کوئی عیب نہیں دیکھا۔ میں نے دیکھا کہ اتنے متضاد اور مختلف ہونہوئے ایک ہی یکساں بات سننے سے طالبان حق کو یہ فائدہ ہوا کہ ان کے دل حضرت مامور موعود کے دعوے کے قبول کرنے کے لئے شرح صدر اور نور سے لبریز ہو گئے۔ ۱۸۹۲ء میں مجھے اس سلسلہ کے مسلم اور مشہور مخالف اور حضرت موعود کے بہت نزدیک ہمسایہ مولوی محمد حسین صاحب کے مکان میں ٹھہرنے کا اتفاق ہوا اس وقت قادیان سے موعودیت کی آواز باہر نکل چکی تھی مگر ہنوز صاف اور منفصل نہیں تھی۔ اتنے کے گفتگو میں مولوی صاحب مذکور نے مجھ سے پوچھا اور میں دیکھتا تھا کہ مولوی صاحب پر سرسبکی اور اضطراب غالب ہو رہا ہے

کہ نہی کیسی آواز قادیان سے آئی ہے۔ میں سمجھ نہیں سکا کہ لفظ موعود سے آپ کی صاف صاف کیا مراد ہے مجھے یہ فکر لگ رہی ہے کہ کہیں مرزا صاحب کی مراد اس سے یہ نہ ہو کہ وہ وہی مسیح موعود ہیں جس کا وعدہ احادیث میں دیا گیا ہے۔ اگر یہ بات ہے تو دنیا میں ایک انقلاب اور قیامت قائم ہونیوالی ہو اور اگر کوئی اور مراد ہے تو مصافقہ نہیں اس بات کو سن کر پہلا سوال جو بلا تکلف میرے دل میں پیدا ہوا اور جسے میں فطرت انسانی کی اضطراری کیفیت سے تعبیر کرتا ہوں یہ تھا کہ مولوی صاحب کے میں نے پوچھا۔ مولوی صاحب فرمائے آپ مرزا صاحب کی نسبت ان کی گذشتہ لائف کے مطالعہ کے بعد کیا رائے رکھتے ہیں۔ مولوی صاحب نے بڑے جوش اور خلاص سے جواب دیا کہ میں مرزا صاحب کا ہم عمر اور ہم مکتب اور پھر ہمساہی ہوں اور علاوہ برآن اب تک ان سے میرے تعلقات سب ہمیں مجھ سے زیادہ کوئی شخص ان کے حالات سے واقف نہیں میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ بے عیب پرلے درجہ کے متقی اور خدا و رسول کے عاشق اور اسلام کے شیدائین۔ اگرچہ میں خود ہم نہیں مگر مرزا صاحب کی بیجا تمیہ پر مجھے استغیر یقین اور وثوق ہے کہ میں ان کے دعوے الہام کو بھی تسلیم کرتا ہوں۔ میں نے سن کر کہا بہت خوب مرزا صاحب کی عمر کا جو حصہ ہم سے پوشیدہ تھا اس کی پاکیزگی اور تقدس کی آجیے گواہی دیدی آئندہ عمر کے حالات ہم خود دیکھ لیں گے اسی طرح ہماری جماعت کے برگزیدہ رکن جناب حضرت مولانا مولوی نور الدین صاحب نے مرزا امام الدین کو جو حضرت موعود کا سخت دشمن تھا اور رات دن آپ کی ایذا رسانی کی تجویز و نین لگا رہتا اور اپنی تنہا کوشش سے تھک کر گاؤں کے بہت سے سانپوں اور بھٹیوں کو ہمیشہ اپنی مدد میں بلاتا دو تین دفعہ کہا کہ اگر تم ہمارے مرزا صاحب میں کوئی عیب نکال دو تو میں اتنے ہزار روپیہ نقد تمہیں دوں گا۔ وہ لڑھکھٹا کی وجاہت اور متانت کو خوب جانتا اور یقین رکھتا تھا کہ مولوی صاحب اپنی بات میں سنجیدہ اور صادق ہیں مگر وہ مبہوت اور خاموش رہا۔ اور لاٹاٹل یا تو منے وقت کو ٹال دیا۔

تعرض سلیم فطرتوں کی اس شہادت سے شائبہ نہ ہوا کہ ایک منجانب اللہ مامور کے لئے از بس فرضی ہے۔ کہ اس کی لائف کی کتاب پبلک لائبریری میں رکھی ہوئی ہو اور ہر ایک شائق اور پڑھ سکنے والا اسے پڑھنے اور پڑھنے سے اپنے ماتحت کوتاہ نہ سمجھے۔ اس لئے کہ ایک مستور الحال شخص کی زندگی کی نسبت کوئی تقاد اور صاحب نظر کیا جکتہ جینی کر سکتا اور بالآخر کس نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے۔ اس خصوص کے لحاظ تو ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے سوا کسی مامور و مرسل کی زندگی پبلک کی تھی اور نظر کے لئے واضح اور کشادہ نہیں۔ گذشتہ زندگی نبوت کے دعوے سے پہلے ہمیں اسی کو وقد لبثت فیکم عمر من قبلہ نے اس کی تلاش اور تجسس کے پوری طرح فاسخ کر دیا ہے۔ جبکہ سمعہ و سون اور نہایت قریبی رشتہ داروں اور آپ سے سابقہ پڑنے والوں کی گواہیاں آپ کے امین اور عاموں ہونے کی نسبت ہماری سیرت کی کتابوں میں موجود ہیں اور یہ ایسے وقتوں کی گواہیاں ہیں کہ جب آپ

میں کی پسینہ نوجوان تھے۔ اور ایسے وقت میں بھی قوم میں نہایت راست باز اور آئین مشہور تھے تو بایں ہمہ کیا کیا کفر
دل اور سلیم فطرت اور نیک لگان تھا و نزدیک اس دعویٰ کے ہوتے اور تاسخ کی کیا ضرورت باقی رہتی ہو۔
ایک لڑائی ہی اس بزرگ یقین اور شرح صدر کا اندازہ کر سکتا ہے جو اس دعویٰ کو سن کر ایک طالب حق
کو ملنا ممکن ہوتا ہے۔

لیکن کیا ہم امید کر سکتے ہیں کہ یسوع مسیح کی لالیف اور سوانح میں کوئی اسکے مقابل دیر اندہ دعویٰ
ہمیں ملے۔ کیا کوئی دیکھا سکتا ہے کہ یسوع نے قوم سے خطاب کر کے کبھی ایسا دعویٰ کیا ہو اور اپنی موجودہ
زندگی کی کشتی کے ثبوت میں اپنے گزشتہ چال چلن اپنے حسبِ نسب کے بے داغ ہونیکو بطور گواہ کے پیش کیا ہو۔ ہم
ابھی یہ ذکر کرنا نہیں چاہتے اگر یسوع ایسا دعویٰ کرتا تو اس کی قوم اسکے جواب میں کہتی اسے تسلیم کرتی یا
ناگفتنی اور ناشیندنی جوابوں سے اسکا بخیلہ و جیڈہ یعنی بالفعل ہم اتنا ہی پوچھتے ہیں کہ ان کتابوں میں جو
یسوع کی سہ سالہ زندگی کی تمام سوانح ہیں یسوع کے منہ میں اس قسم کا دعویٰ دیا گیا ہو میں امید
کرتا ہوں کہ یہ ایسی بات ہے کہ خدا ترس اور طالب حق دونوں اس سے بہت فائدہ اٹھانا چاہتے۔

دوسرا پہلا اس دعویٰ کا بحث کے نیچے لائیکے لئے ہم اس خوبصورت اور قیمتی متلح کو دیکھتے
ہیں جو کس قوت اور دلیری سے پانچ دفعہ ہر رات اور دن میں تمام دنیلے آگے کھول کر رکھی جاتی
ہے وہ ہے کاہلیب لالہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ اس میں غور طلب امر یہ ہے کہ ان دونوں میں
یا اللہ اور محمد کے نام میں کیا مناسبت اور ملاست ہے پہلے فقرہ یعنی آلہہ کی نفی اور اللہ کے اثبات کے یہ مقصود
ہے کہ الہیت اور معبودیت کا استحقاق اللہ کے سوا اور کسی کو نہیں اس لئے کہ وہ مستجمع جمیع صفات کاملہ
ہے اور اسکے سوا سب کو نقص اور ضعف اور عجز کا داغ لگا ہوا ہے انسانی طبیعتوں نے اشتراک اتفاق
کے اس قاعدہ کو مانا ہے کہ مرثیات اور معلومات سے مجہولات اور نظریات کا علم حاصل کیا جاتا ہے لیکن
اس مقام میں یہ دیکھنا چاہئے کہ کیا تمام الہوں کی نفی اور اللہ کے لئے استحقاق الہیت کے اثبات کی
نسبت دعویٰ کیا جاسکتا ہو کہ اس نفی اور اثبات میں دعویٰ اور دلیل کا تلامز ہے دوسرے لفظوں
میں اسے یوں ادا کر سکتے ہیں کہ کیا آلہہ کی نفی اس بات کی دلیل ہو کہ اللہ ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اللہ
کے لئے اثبات الہیت دعویٰ ہے اور بڑا بھاری دعویٰ ہے۔ اگر ہم ان دونوں کو دعویٰ اور دلیل
دعویٰ مان کر ان میں کوئی باریک اور نازک تعلق قائم کرنا چاہیں تو وہ اس سے زیادہ نہ ہو گا جو مصنوعات
اور صانع میں ہوتا ہے یعنی اگر کوئی بلند نظر صافی الفطرت تمام مخلوق معبودوں اور انسانی تخیلات کے
تراشیدہ بتوں کی ہستیوں میں غور کر کے اس نتیجہ پر پہنچے کہ یہ سب ناتوان اور ناقص اور داغ دار
سے داغ دار ہیں اور پھر پیا س اور تلاش اسے سچی زندگی کے پانی کی طرف دوڑنے کیلئے کسی اور طرف
رہبری کرے تو وہ اس سے زیادہ کسی اور نتیجہ پر نہیں پہنچ سکتا کہ ان مٹی اور پتھر کی بدنام ورتوں

مکملہ نبی اور طالب حق کو ایک دوسرے سے

اسکا مطلب یہ ہے کہ اذان میں ان ہی کلمات کی گواہی بلند آواز سے پانچ دفعہ دی جاتی ہے۔ منہ

یا عورت کے پیٹ سے نکلے ہوئے نکتے بالایق معبودوں سے بالاتر ایک کامل اور اعلیٰ ہستی ہونی چاہئے۔
 اس شخص کا وہی حال ہوگا جو مصنوعات سے صانع کا سراغ لگانے والے کا حال ہوتا ہے۔ یہ نکتہ ہستی
 والادت وراثت کا ٹکڑا نہیں مار مار کر اسکے سوا جھولی میں کچھ نہیں لگایا کہ ان مصنوعات کا ایک صانع ہونا
 چاہئے۔ اس بات کو اور زیادہ صاف لفظوں میں یوں سمجھ لو کہ مسیح ایک جھوٹا الہ اور باطل کا ایک
 چیدہ اور برگزیدہ نمونہ ہے الا اللہ کے اثبات کی ضرب اور لا الہ کی نفی کا تبرائے اسکے سر پہ بھی ویسا ہی
 پڑتا ہے جیسا کہ زمین کے اور معبودوں پر جو اسکے بخارات کی ترکیب سے متولد ہوئے ہیں یورپ کے
 ذہین اور رشید طالبان حق بڑی غور و غور اور تنقید و شک بعد جو آزادی اور کشادہ دلی سے اس ناقص
 اور ادھورے آدمی اور جعلی خدا کی نسبت کرتے رہیں اس تراشیدہ بت میں ہزاروں نقص اور داغ
 دیکھ کر بے اختیار اس نتیجہ پر اور سچے نتیجہ پر تو ضرور پہنچے ہیں کہ یسوع مسیح کو خدا ماننا انسانی عقل
 پر شرمناک داغ لگانا ہے مگر بائبل ہم وہ سچا کامل ہمہ علم ہمہ قدرت متصرف حی و قیوم خدا اور اسکا لایذ
 عرفان ان کی ہنم کی رسائی سے ہنوز بالاتر ہے اور یہ ظاہر بات ہے کہ ہے اور ہونا چاہئے
 میں بڑا فرق ہے۔ ایک عاشق کی پیاس جو اس محبت کی طرح بیکار ہو جو پانی کے سوا کسی اور چیز سے خواہ کسی
 ہی عجیب اور لذیذ ہو قرار نہیں کر سکتی کیونکہ کچھ سکتی ہے جتنا کہ وہ زندگی کا شیریں چشمہ نیتنی طور پر
 لے نہ ملے۔ فطرت انسانی خیالی تصویروں اور بے جان صورتوں اور اپنے ایجاد کردہ تصورات کو کب
 سیر ہو سکتی ہو جہت میں ایک جوش ڈالا گیا ہے جو کسی طرح اس کی آگ کچھ نہیں سکتی جتنا کہ محبوب کا کلام اس
 میں زندگی کی روح نہ بھونکے۔ یہ فطرتی تقاضا صاف بتاتا ہے کہ فاطر فطرت نے عمداً اس میں یہ جوش اور
 تقاضا خیر کیا ہے۔ درحقیقت اسکے سوا اور کوئی راہ ہے ہی نہیں کہ کامل قادر حی قیوم خدا خود اپنی آواز
 سے اپنے تئیں شناخت کرے اور اپنی پر قوت اور پرہیزگاری اور ریلز آواز سے اپنی ہستی کا آپ
 ثبوت دے۔ اسی دقیقہ معرفت کے ثبوت کے لیے قرآن کریم میں آئمہ باطلہ کی تردید میں بارہا استدلال
 فرماتا ہے کیا وہ تمہاری آواز کو سنتے اور اسکا جواب دیتے ہیں جب تم انہیں پکارتے ہو چنانچہ گوسالہ ساری
 کی پرستش کے احمقانہ فعل پر نبی اسرائیل کی نسبت فرماتا ہے **اقلایرون الایہم جمع الیہم قول اولی**
یکلمک لہم ضراً ولا نفعاً۔ کیا وہ سوچتے نہیں کہ وہ ان کی بات کا کچھ جواب نہیں دیتا اور انکا ضراً اور نفع
 کچھ بھی اسکے اختیار میں نہیں۔ اس آیت اور اس قسم کی اور بہت سی آیتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ بائبل
 کی ہستی کے ثبوت کے اعلیٰ اور اکمل اور امین ذریعہ تو ایک یہ ہے کہ وہ اپنے کلام اور تعلیم سے اپنے وجود کا آپ
 ثبوت دے۔ دوسرا بڑا بھاری اور نہایت ہی مردانہ مرحلہ اس راہ میں یہ پیش آتا ہے کہ مصنوعات کی
 ابلغ اور محکم ترکیب اور نام شمسی کی ہندسی ترتیب میں غور و فکر سے اگرچہ سلیم اور مصفا فطرتیں پہلی
 ہونا چاہئے کی پست حالت سے ترقی کر کے اس نتیجہ پر بھی پہنچ گئی ہیں کہ خدا تعالیٰ ہے مگر عبودیت

اور الوہیت میں رابطہ اور تعلق پیدا ہونے کے لئے اتنا اعتقاد کافی نہیں کہ خدا ہے۔ بڑا بھاری طلسم اور گنبد بے درجے کے توڑنے اور کھولنے میں ہزاروں مادی دانشمن اور یورپ و یونان کی ارضی فراستیں سرسبز ہو کر راہ بھول گئی ہیں صفات الہیہ کا مسئلہ ہے۔ فلسفیوں کی راہ میں بڑا بھاری مسئلہ یہی پڑا اور مدتوں سے پڑا ہے کہ خدا اور انسان میں کیا تعلق ہونا چاہئے بہت سے لوگوں کی ہمت اتنی ہی بات پر قناعت کر جاتی ہے کہ اس قدر ماننا کافی ہے کہ خدا ہے وہ اپنے دل میں اس بات کی تڑپ محسوس ہی نہیں کرتے کہ اس کا ہم سے اور ہمارا اس سے کیا تعلق ہے۔ یہ کمزوری اور حجاب اس وجہ سے پیدا ہوا کہ خدا تعالیٰ کو ایک معطل طاقت مانا گیا جس کا نظام عالم سے کوئی تعلق نہیں اور جو بھی تعلق تھا تو اس معمار سے زیادہ نہ تھا جو ایک عمارت کے پورا کرنے کے بعد اس سے بے تعلق ہو جاتا ہے۔ ذرات کا ثبات پر متصرف اور ہر آن اور شان میں جلالی اور جمالی تجلیات کے دکھانے پر قادر یعنی اپنی مشیت اور ارادہ کو ہر وقت نافذ اور جاری کرنے کی قدرت رکھنے والا اور ہر ایک ذرہ موجودات کو اپنے منشا کے پورا کرنے کے لئے کٹھ پتلی کی طرح بنچانے والا ہمیشہ کلام کر رہا والا۔ دعاؤں کا سننے والا صریح اور صاف آواز سے جواب دینے والا ہر زمانہ میں لا تبدیل طور پر روحی اور الہام اور رویا کے سلسلہ کو جاری رکھ کر ان امور کو اپنے وجود کا گواہ اور زندہ گواہ ٹھہرا رہا والا۔ اپنے ایک ارادہ اور مقصد کے پورا کرنے کے لئے اپنی مصلحت کے اقتضا سے ابھی ہوا کو بری اور بُری کو ابھی کر سکے والا۔ غرض اس قسم کا قادرِ قادرِ حقِ قیوم اسے مانا نہیں گیا اور ظاہر ہے کہ جب تک اسپر ایسا ایمان پیدا نہ ہوا انسان کی فطرت میں اس سے تعلق لگانے کے لئے جوش پیدا نہیں ہو سکتا۔ ایسے گہرے تعلق کے پیدا کرنے کے لئے انسان کی فطرت میں ایک جوش بخشا گیا ہے جو زندگی کے انقلابات کی مختلف گھڑیوں میں نخر کیے میں آتا۔ اور ہر طرف سے انسان کی ساری امید و فکر کاٹ کر بیچارگی اور ناتوانی سے اسکے منہ کو اوپر کی طرف متوجہ کرتا ہے اور اسکے دل میں الفا کرتا ہے کہ اس وقت زمین کی ساری طاقتیں تیری کار بر آری میں سراسر عاجز اور ناتوانی ہیں۔ لیکن بڑی مشکل ہے جو کہ اس غرض کے حاصل ہونے کے لئے کہ دعا جاذبِ قلب سے نکلے اور استبعاد کی کوئی آلائش اسکے ساتھ نہ ملی ہوئی ہو۔ بڑا شہتیر جیسے داعی کے ایمان کی چھت کو قائم ہونا ضروری ہے کہ خدا تعالیٰ کی صفات پر فوق اور بصیرت یقین ہو اور دل اس عرفان سے مسرور اور لبریز ہو کہ اس کی قدرت اور علم اور طاہر ارادہ کی راہ میں کوئی روک نہیں۔ عام تجربہ اور مشاہدہ گواہ ہے کہ مادی تعلیموں اور ملمع صنعت کاریوں اور دنیا کی چند روزہ کامیابیوں اور تعیشات کے ورطہ میں مستغرق ہو جانے کے باعث دل کو دھکی دھکی اور نافع ہو نہیکا اعتقاد اٹھ گیا ہے اور دعا کو من جملہ اسباب موثرہ اور علل کے یقین کرنا بیہودہ خیال اور توہم کی جنس سے سمجھا جاتا ہے۔ طبائع کی ساری توجہ اسباب کی دیوی کی پرستش میں مصروف ہے اور ان لا انتہا پتھر دن کی پوجا سے دل کو خالق اسباب کی طرف ایک لحظہ

بھی توجہ کرنے کی فرصت نہیں ملتی۔ تمام قوموں عیسائی۔ آریہ۔ برہمن اور عام مسلمانوں میں دعا کا رواج تو ہے مگر وہ خشک بے اثر الفاظ سے زیادہ نہیں۔ ہر ایک کو ان میں سے استبعاد کا جذام لگا ہوا ہے جس سے دل کے سارے اعضا گل سڑ کر گریبے قریب ہو گئے ہیں۔ ہاتھ دعا کے لئے اٹھائے ہوئے ہیں اور دل اس دغدغہ اور خلیجان سے ناکون ناک بھرا ہوا ہے کہ یہ بات تو ہونے والی نہیں یہ تو اٹل امر ہے۔ ایک شخص جس امر کو یا تو نزدیک ناگہن سمجھ لیتا اور چاروں طرف نظر دوڑا کر اپنے زعم میں اسباب کو مفقود پاتا ہے خدا تعالیٰ کو بھی اس کے سرانجام دینے یا ناگہان غیر مترقب اسباب کے پیدا کر نیسے عاجز اور قاصر یقین کر لیتا ہے اس کا دل اس کو اس وقت یہ اطمینان نہیں دلا سکتا کہ اگرچہ یہ آگ جس میں عنقریب ڈالا جائے گا بڑے طاقتور ہاتھوں کی جھلائی ہوئی ہے مگر ان سب ہاتھوں پر ایک اور ہاتھ ہے جو ہر قسم کے توقع اور انتظار کے خلاف اس کے بچا دینے اور گلزار کر دینے پر قادر ہے +

غرض ان دونوں فقروں لا الہ الا اللہ میں اللہ اور محمد میں یہ رابطہ اور بناسبت ہو کہ لا الہ الا اللہ دعوے اور محمد رسول اللہ اس کی دلیل ہو اس لئے کہ تمام اللہ باطن کی نفی کے بعد لفظ اللہ کے معنی اور مفہوم میں یہ داخل ہو اور اس کا اثبات کیا گیا ہے کہ وہ مستجمع جمیع صفات کاملہ ہے یعنی اس میں وہ تمام صفات کاملہ طرز پر موجود ہیں جو اس عالم کے ذرہ ذرہ سے تعلق رکھتے اور اس پر قابض اور قادر حکمرانی کرنے کے لئے ضروری ہیں تمام جہان اور اس کے ذرات کی کوششیں اور اجتماع اس کے غالب امر اور قائم مشیت اور نافذ ارادہ کو کسی طرح بھی روک نہیں سکتے بائیں ہمہ یہ دعوے اور مجرود دعوے ہے اور ایسی ذات کی نسبت دعوے ہو کہ جس کے وجود کی نسبت بڑی مشکل ہے یقین نہ ہو شش سنبھالنا شروع کیا ہے چہ جائیکہ اس کی صفات کاملہ کی نسبت وہ ایمان اور یقین پیدا ہو جو اوپر مذکور ہوا ہے لیکن محمد نے ان تمام مشکلات کو بڑی قوت سے رفع کر دیا اور اس لئے کہ اس انسان کامل کا وجود ایک معلوم اور مثبت حقیقت اور حتمی ملک ہونے کے سبب سے اس غیر مرئی۔ غیر مرکب اور مجہول الکنہ ذات کے اثبات اور دکھا دینے کے لئے دلیل راہ دکھایا۔ اس دعوے اور دلیل میں باللفظ دیگر اللہ اور محمد میں کمال رابطہ اور بناسبت یہ ہو کہ دونوں لفظ اپنی ترکیب اور مفہوم کے رو سے کمال تام پر دلالت کرتے ہیں یعنی جس طرح لفظ اللہ کے یہ معنی ہیں کہ وہ ایسی پاک ذات ہے۔ کہ جس میں تمام کامل صفات جمع ہیں اور اس میں کسی قسم کا نقص اور کمزوری نہیں اسی طرح لفظ محمد بھی اپنی میں اور واضح ترکیب سے ایسے وجود پر دلالت کرتا ہے جو جامع ہے۔ ان تمام صفات کاملہ کا جو نشا و بشریت اور عالم انسانیت کے لئے ممکن ہو سکتی ہیں اور من کل الوجوہ بری ہے ان تمام نقصوں اور کمزوریوں سے جو گری ہوئی بشریت اور دلیل انسانیت کے چہرہ پر بہ مناداع کی طرح لگی ہوئی ہیں۔ اس لئے کہ محمد کے معنی ہیں بہت حمد کیا گیا یا ایسا انسان کہ جس کی حمد اور ستائش سے زمین اور آسمان بھر جائیں اور یہ مرتبہ کسی انسان کو مل نہیں سکتا جب تک وہ ہر قسم کے کامل صفات سے موصوف اور محبوب اور نفعی شخص سے منزہ نہ ہو۔

ہے کوئی معرفت الہی کا بھوکا اور پیاسا جسے ذوق سلیم اور ذہن مستقیم بخشنا گیا ہے۔ جو ان اسما کی مناسبت اور رابطہ میں غور کرے کیا یہ کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ اپنے احسن نظام اور بلخ ترکیب سے ایک عظیم الشان اور لائیکر صداقت اور صداقت کا ثبوت نہیں۔ کیسا خوبصورت اور کش دعوے ہو کہ اللہ ہے اور اس کے سوا کوئی معبود اور الہ نہیں اور اس دعوے کی اسی کی مانند کیسی خوبصورت اور کش دلیل ہو کہ محمد اس کا رسول ہے یعنی ایسا کامل انسان جس کے افعال و اعمال محمودہ سننا اس جہان میں ہر قسم کی جھڑپ و تالیش کا مستحق پیدا کیا ہے جب ایسا کامل اور بے عیب فرد اسکا الٰہی اور اسکا پتہ دینے والا ہے تو اس میں شک نہیں کہ اللہ ہے اور لاریب تمام کاملہ صفت کا جامع ہے۔

دنیا کے عرف اور رسم میں یہ بات داخل ہو کہ ہر دولت اور قوت کا سفیر اسکا قائم مقام اور اس کی شکست اور قدرت کا غیر سلطنت کے دلوں پر نقشہ اور سکہ جانیو والا اور اپنی دولت کے سچے منشا کو ظاہر کرنیوالا ہوتا ہے اسلئے ہر سلطنت کو اپنے جلال اور شوکت کے اندازہ پر ایک قابل اور لائق سفیر انتخاب کرنا پڑتا ہے کہ سفاقت و خفقت اور تحقیر اس سلطنت کو نصیب ہوگی جسکا سفیر محض کھلونا اور سنیہ اور ابلہ ثابت ہو۔ ایسے موقع میں جہاں سفاکے دول اپنی اپنی سلطنت کے منافع اور مقاصد کے لئے جمع ہوئے ہوں اس قوی اور ستم اصل کو مد نظر رکھ کر غور کرنا چاہئے کہ کیا ایسے شہنشاہ کے لئے جسکا نام اللہ ہے کوئی اور سفیر بجز اس شخص کے جسکا نام محمد ہے تجویز ہو سکتا ہو بلکہ اس بڑھ کر دین دعوے کرتا ہوں اور بصیرت کے دعوے کرتا ہوں کہ اللہ کے معنے اور مفہوم اور اس کے تمام مقاصد کو دل میں رکھ کر اور کوئی نام بجز اسم مبارک محمد کے موزون اور بر محل ہی نہیں +

میرا دل اس امید سے بھرا ہوا ہے کہ سلیم الفطرت ناظرین جو مذہب کے دلچسپی رکھتے ہیں یا کم از کم ندرت پسند طبیعت رکھنے والے اس امر میں غور کریں گے کہ مذہب اسلام کی یہ زیرین اصل کیا بڑے بڑے مفاد کے طور پر رہنا نہیں۔ کیا یہ اتفاقی اور نااندریشیدہ ترکیب کے چوبے جوڑ اور محل لفظوں سے مرکب ہے یا اسکے ایک ایک لفظ میں ایسی صداقت بھری ہوئی ہے کہ جس کی نظیر دنیا کے قدیم و جدید مذاہب میں پائی نہیں جاتی میں فراخ دلی اور کشادہ پیشانی سے مذاہب موجودہ کے حامیوں کو اجازت دیتا ہوں کہ دلائل سے قطع نظر کر کے بالفعل دعوے کا مقابلہ دعوے سے کریں اس کے بعد دلائل کا دلائل سے موازنہ کریں۔ ایک شخص اپنی سچائی اور کاملیت اور سچی عقیدت اور قدوسیت کا مستقر یقین اور احساس رکھتا ہے جبکہ اللہ کے نام کے ساتھ اپنے نام کو شامل کرتا اور اجازت دیتا ہے کہ دن اور رات میں باخ مزہ بلند جگہوں پر اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ اسکے نام کی نہ کی جائے۔ اس احساس اور ذوق کا کوئی اندازہ کر سکتا ہو جسے وہ اور اسکے پیرو دلوں میں محسوس کرتے ہیں جبکہ وہ اس مناسبت اور ربط کا تصور کرتے ہیں جو اللہ اور محمد میں واقع ہے اس ترکیب کے کامل اور بلخ ہونے کا ثبوت یہ ہے کہ

جیسے اللہ کے اسم کے سوا یہ اشتہار کسی اور نام کی طرف سے موزون نہیں ہو سکتا اسی طرح اسم محمد کے سوا بھی کوئی اور مشہور اسم موزون نہیں ہو سکتا اس لئے کہ عرف اور لغت میں ایسے اور ان کی مانند کوئی اور الفاظ موجود ہی نہیں جو ان اغراض اور مقاصد کا آلہ اور واسطہ بن سکیں جو ان لفظوں سے مقصود ہیں اسے بلفظ دیگر یوں سمجھنا چاہئے کہ جیسے ضروری ہے کہ خدا کے واسطہ سے جو ہر قسم کے کاملہ صفات سے موصوف اور تمام نقصوں اور عیبوں سے میرا اور منتر ہو ویسا ہی ضروری ہے کہ اس کی خبر دینے والا اور اس کا خلیفہ بھی اپنی جنس کے دائرہ میں ہر قسم کے حسن کا جامع اور ہر قسم کے کج سے پاک ہو۔ یہ ایک حقیقت ہے اور بڑی عظیم الشان اور نازک اور دقیق حکمت ہے ہم چاہتے ہیں کہ اس کے اظہار کے لئے الفاظ کا قالب پیدا کریں اور مفرد لفظوں کے ذریعہ ہزار ہا معارف اور حقائق کو ایک ہی لحظہ میں دلون پر نازل اور القا کر سکیں اور بڑی مفصل تقریروں اور مطول ثبوتوں سے طرفہ العین میں بے نیاز ہو جائیں۔ ہم دعوے سے کہتے ہیں کہ اسکو کئے بجز ان دونوں اسموں اللہ اور محمد کے اور کوئی لفظ ہمیں مل ہی نہیں سکتے۔ اور اگر کوئی اور ثبوت اسلام کے پاس اپنی حقیقت اور صداقت کا نہ بھی ہو تو واجب بھی یہ کلمہ اس کے منجانب اللہ ہو نیک کافی اور وافی ثبوت تھا۔ فالحمد للہ رب العالمین ثم الحمد للہ الذی ہدانا لهذا کنا لنهتدی لولا ان ہدانا اللہ۔

دوسرے سوال کی نسبت بڑا صاف اور مختصر جواب یہ ہے کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دعوے نبوت سے پہلے اپنی قوم میں الامین اور المامون کے نام سے مشہور تھے یہ مسلم اور مشہور روایت ہے کہ قریش ان برگزیدہ اور قیمتی امانتوں کو جن کی نسبت کسی جگہ سپرد کرنے پر ان کے دل مطمئن اور امین نہیں ہوتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کرتے تھے۔ اس طرح پر آپ خدا تعالیٰ کے خاص ارادہ اور حکمت سے اس بڑے دعوے سے پہلے ہی الامین مشہور ہو چکے تھے۔ بنو ہاشم کی عظمت اور وقعت تمام قریش اور سائر عرب کے دلون میں ایسی جاگزین تھی کہ کوئی فرد بشر ان کی ذات اور خاندان کی وجاہت اور طہارت کی نسبت کوئی عیب نکال نہیں سکتا اور رواج دیکھا نہیں سکتا تھا۔ کس قدر شوکت اور دلی شعور سے بھرا ہوا یہ آپ کا دعوے ہے جو اپنی سوسائٹی میں اپنے کیا کہ ہماری تمام نسل میں آدم تک کوئی سفاح (زنا) واقع نہیں ہوا۔ اس دعوے کی تکذیب کسی کو بھی جرأت نہ ہوئی۔ اس دعوے کی عظمت اور بھی بڑھ جاتی ہے جب اس قوم کی حالت سے واقفیت حاصل ہو جسکے سامنے یہ دعوے کیا گیا۔ یہ مسلم امر ہے کہ عرب عموماً اور قریش خصوصاً زندگی کا فرض اور مایہ ناز کام اس امر کو سمجھتے تھے کہ ہر ایک قابل شخص اور میدان میں نکل سکنے والا آدمی اپنے باپ دادوں اور حریف کے باپ دادوں کے کارناموں کو پشت در پشت میسوں پشتوں تک یاد رکھتا۔ وہ اپنے آبا کے محاسن اور حریف قبیلہ کے آبا کے مثالب کو مقابلہ کے بازاروں میں ہزاروں ناظرین کے روبرو بیان

کرنا قابل فخر کا نام سمجھتے تھے ان میں ہزاروں آدمی ایسے تھے جنہیں صدیوں کے واقعات اور ایام اور ان کی جزئیات کے متعلق لاکھوں اشعار زبانی یاد تھے۔ ان کی اس لائق ترقوت حافظہ کو یورپ کے نامی علماء نے بھی تسلیم کیا ہے۔ ہاں ہم ایسی مثالیں شمار قوم ایسے وقت میں جبکہ مخالفت کا جو اثر انہیں ہر طرف دوڑا تھا کسی طرح دعوے کرنا والے کے منہ پر مہر سکوت لگائیں اس شخص کے مقابل میں تسلیم ہو جاتا ہے۔ اس سے زیادہ ثبوت ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بے عیب اور معصوم زندگی کا اور کیا ہو سکتا ہے +

سیرۃ ابن ہشام میں جو بہت پرانی اور نہایت معتبر سیرۃ کی کتاب لکھا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی کہ ہر سال موسم ربیعہ میں مدینہ پر تشریف لے جاتے اور لوگوں پر اسلام پیش کرتے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک موسم میں بنو عامر آئے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حسب معمول انہیں تبلیغ کی مگر انہوں نے سرکشی سے انکار کیا۔ اس قوم بنو عامر میں ایک بہت بوڑھا اور معتد علیہ بزرگ تھا جو کبر سنی کی وجہ سے مدینہ میں حاضر ہو بیٹھے تھے قاصد ہو گیا تھا قوم کے جوانوں نے یہ التزام کر لیا تھا کہ میلہ سے واپس ہوتے ہوئے جو کچھ دیکھا سنا ہوتا اسے سنا تے جاتے۔ ابی دفعہ انہوں نے یہ بنیاد واقعہ بھی اُسے سنایا۔ ابن ہشام کہتے ہیں۔ فوضع الشيخ يدیه علی راسه ثم قال یا نبی عامر والذی نفس فلان بیدہ باتقولہا اسلم علی قطا نہما الحق یعنی ان کی سرکشی اور انکار کی باتیں سن کر اس بزرگ نے اپنے دونوں ہاتھ سر پر رکھے اور کہا اے نبی عامر مجھے خدا کی قسم کسی سمعی نے ایسا دعویٰ کر کے خدا تعالیٰ پر افترا نہیں کیا اور یہ دعویٰ سچا ہے۔ پھر اسی سیرۃ میں لکھا ہے کہ حضرت حمزہ علیہ السلام کے اسلام لانے کے بعد عتبہ بن ربیعہ نے ایک دن قوم سے کہا جبکہ وہ لوگ تعجب اور سنج سے دیکھ رہے تھے کہ اسلام دن بدن بڑھتا چلا جاتا ہے یا معشر قریش! الا قوم اے محمد فاکبرہ و اعرض علیہ امور اللعین قبل ان یضربہا فنعطیلہا یا شاکر و کیف عنا فقالوا بل یا بالولید ثم الیہ فکلمہ فقام الیہ عتبہ حتی جلس الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا ابن خنی انک منا حیث قد علمت من السلطۃ فی العشیۃ و المکان فی النیب النخ۔ اے قوم قریش اگر تم پسند کرو تو میں محمد سے بات چیت کروں اور کچھ باتیں پیش کرو ممکن ہے کہ وہ کسی امر کو قبول کرے۔ اور جس بات کو وہ قبول کرے ہم بھی اس پر راضی ہو جائیں اور اس طرح وہ ہمارا پیچھا چھوڑے۔ انہوں نے کہا بہت بہتر آپ ان سے کلام کریں۔ پھر عتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گیا اور آپ سے مخاطب ہو کر کہا اے برادر زادے مجھے خوب علم ہے کہ ہم تمہیں قبیلہ میں کس قدر اکرم اور برگزیدہ اور صاحبِ محبت و رخصت مانتے اور بلحاظ نسب کے مجھے اعلیٰ درجہ کا یقین کرتے ہیں۔ پھر اسی کتاب میں لکھا ہے کہ کعبہ کوئے سر سے تعمیر کر نیکی وقت جب قریش میں نزاع کھڑی ہو گئی کہ رکن اسود کو کون نصب کرے اور قریب تھا کہ قحط کی آگ مشتعل ہو کر بہت سے خاندانوں کو راکھ کر دیتی

ابو امیہ بن المغیرہ نے جو سب میں بڑا تھا کہا۔ اجمعوا علیکم فیما تشرعون اول من یدخل من باب هذا المسجد تقضي
بیکم ففعلوا فكان اول داخل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلما راوه قالوا هذا الامین رضینا ہذا محمد۔ تم اس اختلاف
اور نزاع کے معاملہ میں ایسے شخص کو حکم مان لو جو اس مسجد کے دروازہ سے سب سے پہلے داخل ہوا ان سب کے
منظور کیا۔ پھر ایسا ہوا کہ سب کے اول داخل ہونے والا شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے لوگ آپ کو دیکھ کر
پکار لگے۔ یہ الامین ہے ہم اس پر راضی ہیں یہ محمد ہے۔ اسکے آگے ابن ہشام لکھتے ہیں۔ وکانت قریش
نشی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبل ان ینزل علیہ الوحی الامین یعنی قریش نزول وحی سے پہلے ہی رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کو الامین کہا کرتے تھے۔ اسی طرح ایک موقع پر حضرت ابن ہشام سر محبت اور عاشقانہ
اداسے لکھتے اور امر واقع کی گواہی دیتے ہیں۔ فثبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ بیکوہ و یحفظہ بحوطہ
من اقدار الجاہلیۃ لما یرید بہ من کرامتہ و رسالتہ حتی بلغ ان کان رزلا افضل قومہ مروکہ و احسنہم خلقا و اکرمہم
واحسنہم جوارا و اعظمہم علما و اصدقہم حدیثا و اعظمہم امانتہ و ابدہم من الفحش و الاطلاق التی تدنس الرجال تنزلا
و تنکرا حتی ما سمعہ فی قومہ الا الامین لما جمع المدفینہ من الامور الصالحۃ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طہر
اور بچھو لیتے اور اللہ تعالیٰ آپ کی پاسبانی اور حفاظت فرماتا اور آپ کو جاہلیت کے تمام عیبوں اور گند و نشے
بچانا اس لئے کہ آپ کو اپنا رسول اور مورو فضل و کرم بنانا تھا تاکہ آپ سن بلوغ کو پہنچ کر ایسے مرد نکلتے کہ ساری
قوم سے عروت میں افضل خلیق میں احسن۔ حسب میں اکرم۔ ہمسایوں سے حسن سلوک میں احسن۔ علم میں
اعظم۔ بات میں اصدق۔ امانت میں اعظم اور ان تمام اخلاق سے جو مرد و عورت کے دامن کو آلودہ اور چرکین کر دیتی
ہیں اور ہر قسم کی بد گفتاری اور بد کرداری سے پاک تھے چنانچہ ان سب امور کے لحاظ سے قوم میں آپ
الامین کے نام سے مشہور ہو گئے۔

غرض یہ سب شہادتیں ہیں ایسی قوم کے منہ سے جبکہ نزدیک کسی کی تعریف کرنا سرخ موشتے
اختیار کرنے سے زیادہ گراں تھا اور یہ ایسے وقتوں کی گواہیاں ہیں کہ جب آپ زندگی کے اس چوتھرے پر
جلوہ فرما ہوئے تھے جہاں بیٹھ کر عرف اور عادت کے نزدیک بہت ہی تھوڑے بے عیب ثابت ہو گئے
ہیں۔ یہ درحقیقت خدا تعالیٰ کے فضل اور بڑے خشک کی بات ہے کہ اسلام کی وہ ساری کتابیں جو کتب
سیر کے نام سے مشہور ہیں اور احادیث کی کتابیں جو تاریخی اور تنقیدی لحاظ سے بھی تمام دنیا کی مذہبی اور
مقدس کتابوں سے بڑھتی ہوئی ہیں اور وہ دو دواہین اشعار جو جاہلیت کی طرف منسوب ہیں یہ ساری کتابیں
بالاتفاق گواہی دیتی ہیں کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نبوت سے قبل اور بعد دونوں زمانوں میں
قوم کے عرف اور رسم اور عادت اور الف کے لحاظ سے مستطاب اور بے داغ مانے گئے۔ کوئی تاریخ گوہی نہیں
دے سکتی کہ کسی مامور مصلح کی زندگی کی کتاب ایسی صاف اور خوش خط لکھی ہوئی موجود ہو اور پھر ایسی صحیح اور
بلوغ ہو کہ جلدوں کی جلد میں پڑھ کر بھی عدد و کوکتہ چینی کے لئے ایک حرف پر بھی نظر نہ مل سکے۔

میں بڑی دلیری اور بصیرت سے دعوے کرتا ہوں کہ پہلے اور پچھلے زمانوں میں ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک شخص ہیں جو انسان تیار بخ میں اس لئے کہ آپؐ نے وہ کام کئے اور وہ انسان چھوڑے ہیں جنہیں تاریخ فخر و ناز سے اپنے صحیفوں میں جگہ دیتی ہو اور آپ ایک ہی بے داغ اور بے عیب انسان ہیں کہ جن کی سیدائش اور طفولیت اور جوانی اور بڑھاپے اور انجام کی زندگی کے اوراق کے پہلک کی آنکھوں کے آگے کھول کر رکھ دینے سے تاریخ کبھی شرمندہ نہیں ہوتی اور تاریخ بھی آپ ہی کے اسم گرامی کی طرف مصاف ہو کر واقعی اور معنی خیز ترکیب بن سکتی ہو یا اسے یوں تعبیر کر دو کہ آپ ہی ایک گرامی اور مسلم اور واقعی شخص ہیں کہ جن کی سوانح زندگی ابتدا سے آخر تک دنیا میں محفوظ ہیں اور اس خصوص میں مصلحان عالم کے گروہ سے کوئی بھی آپ کا شریک نہیں۔ غرض صرف ایک ہی شخص کے لحاظ سے ہسٹری آف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور محذات ہسٹری دونوں تریکسین درست اور واقعی ہیں۔ (باقی دارو) محمد الکیریم

حضرت مسیح موعودؑ کی ایک تقریر کا خلاصہ

آپ نے جو مجھ سے آج تعلق بیعت کیا ہو تو میں چاہتا ہوں کہ کچھ بطور نصیحت چند الفاظ کہوں۔ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ انسان کی زندگی کا کچھ اعتدال نہیں۔ اگر کوئی شخص خدا پر ایمان رکھے اور پھر قرآن کریم پر غور کرے کہ خدا تعالیٰ نے کیا کچھ قرآن میں فرمایا ہے تو وہ شخص دیوانہ وار دنیا کو چھوڑ دے گا اور جاوے۔ یہ بالکل سچ کہا گیا ہے کہ دنیا روزے چند عاقبت با خداوند اب خدا کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ جو شخص خدا کی طرف آنا چاہتا ہے اور فی الواقع اس کا دل ایسا نہیں کہ اُس نے دین کو دنیا پر مقدم کیا ہو تو وہ خدا کے نزدیک قابلِ سزا ٹھہرتا ہے۔ ہم اس دنیا میں دیکھتے ہیں کہ اسکے مقاصد حاصل کرنے کے لئے جب تک کافی حصہ اپنا ان کی طلب میں خرچ نہ کر دین وہ مقاصد حاصل ہونے ناممکن ہیں مثلاً اگر طبیب ایک دوا کی اور اس کی ایک مقدار مقرر کر دے اور ایک بیمار وہ مقدار دوا کی تو نہیں کھاتا بلکہ تھوڑا حصہ اس دوا کی کا استعمال کرتا ہو تو اس کو کیا فائدہ اس سے ہوگا۔ ایک شخص سخت پیاسا ہے تو ممکن نہیں کہ ایک قطرہ سے اس کی پیاس دور ہو سکے۔ اسی طرح جو شخص بھوکا ہے وہ ایک تھم سے پیس نہیں ہو سکتا اسی طرح خدا تعالیٰ یا اسکے رسولؐ پر زبانی ایمان لے آنا یا ایک ظاہر رسم کے طور پر بیعت کر لینا بالکل بے سود ہے جب تک انسان پوری طاقیت سے خدا تعالیٰ کی راہ میں نہ لگی ہوئے نفس کی خیر خواہی اسی میں ہے کہ انسان پورے طور پر وہ حصہ لے جو روحانی زندگی کیلئے ضروری ہے۔ صرف یہ خیال کہ میں مسلمان ہوں کافی نہیں۔ میں نصیحت کرتا ہوں کہ آپ نے جو تعلق مجھ سے پیدا کیا ہو (خدا تعالیٰ اس میں برکت ڈالے) اس کو بڑھانے اور مضبوط کر نیکی فکر میں ہر وقت

دنوں میں اس دن حضور علیہ السلام سے بیعت حاصل کیا تھا

۱۰؎ یہ تقریر حضرت اقدس نے مقام نور داسپور ۲۰ مئی سنہ ۱۹۰۷ء کو بعد از نماز عصر کی تھی۔ تحریک کا باعث چند اجاب جید راہداروں کے تھے۔

لگے ہیں لیکن یاد رہے کہ صرف اقرار ہی کافی نہیں جب تک علی رنگ سے اپنے آپ کو گنیں نہ کیا جاوے۔
 خدا تعالیٰ فرماتا ہے **حَسْبُ النَّاسِ اَنْ يَّمُرُوا بِآيَاتِنَا وَلَا يَفْقَهُوْنَ** الخ یعنی کیا
 انسانوں نے گمان کر لیا ہے کہ ہم صرف آئنا کہ جو ہی چھٹکارا پائیں گے اور کیا وہ آزمائش میں ڈالے نہ جاویں گے
 سواصل مطلب یہ ہے کہ یہ آزمائش اسی لئے ہے کہ خدا تعالیٰ دیکھنا چاہتا ہے کہ آیا ایمان لایا والے نے دین
 کو ابھی دنیا پر مقدم کیا ہے یا نہیں آج کل اس زمانہ میں جب لوگ خدا کی راہ کو اپنے مصلح کے برخلاف پاتے
 ہیں یا بعض جگہ حکام سے انکو کچھ خطرہ ہوتا ہے تو وہ خدا کے راہ سے انکار کر بیٹھتے ہیں ایسے لوگ بے ایمان
 ہیں وہ نہیں جانتے کہ فی الواقعہ خدا ہی احکام الہی مکیں ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ خدا کی راہ بہت دشوار
 گزار ہے اور یہ بالکل سچ ہے۔ کہ جب تک انسان خدا کی راہ میں اپنی کھال اپنے ماتھے سے نہ اتارے تب تک
 وہ خدا کی نگاہ میں مقبول نہیں ہوتا۔ ہمارے نزدیک بھی ایک بیوفان کو کسی قدر ومنزلت کے قابل نہیں
 جو نہ کو صدق و وفا نہیں دکھلاتا وہ قبولیت نہیں پاتا۔ اسی طرح خدایا ہی میں وہ شخص پرے درجہ کا ہے اور
 ہے جو چند روزہ دنیوی منافع پر نگاہ رکھ کر خدا کو چھوڑتا ہے۔ بیعت کا مراد خدا تعالیٰ کو جان سپرد کرنا
 ہے اس سے مراد یہ ہے کہ ہم نے اپنی جان آج خدا کے ماتھے بچدی۔ یہ بالکل غلط ہے کہ خدا کی راہ میں
 چل کر انجام کار کوئی شخص نقصان اٹھاوے۔ صادق کبھی نقصان نہیں اٹھا سکتا۔ نقصان اسی کا ہے
 جو کاذب ہے جو دنیا کے لئے بیعت کو اور عہد کو جو اللہ تعالیٰ سے اس نے کیا ہے توڑ رہا ہے وہ شخص جو
 محض دنیا کے خوف سے ایسے امور کا مرتکب ہو رہا ہے وہ یاد رکھے کہ بوقت موت کوئی حاکم یا بادشاہ
 اسے نہ چھوڑا سکے گا اس نے احکام الہی مکیں کے پاس جانا ہے جو اس سے دریافت کریگا کہ تو نے میرا پاس
 کیوں نہ کیا اس لئے ہر مومن کے لئے ضروری ہے کہ خدا جو مالک السموات والارض ہو اس پر ایمان لائے
 اور سچی توبہ کرے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ امر بھی یونہی حاصل نہیں ہوتا ہے خدا ہی بے امر و ملین بھٹا
 تو بیٹھ سکتا ہے سوائے کئے دعا بکار ہے +

جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں صدق سے قدم اٹھاتا ہے اسکو ایک عظیم الشان طاقت اور تارق
 عادت قوت دیجاتی ہے مومن کے دل میں ایک جذب ہوتا ہے کہ جس قوت جاذبہ کے ذریعہ وہ دوسروں کو
 اپنی طرف کھینچ لیتا ہے بیش بہا ہو سکتا۔ کہ اگر تم میں جذب محبت خدا کی راہ میں کافی ہو۔ تو پھر کمون
 لوگ تمہارے طرف نہ کھینچے اور کیوں تم میں ایک مقناطیسی طاقت پیدا نہ ہو جاوے۔ دیکھو ان
 میں سونہ و سہن میں آیا ہے۔ ”وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَا اَنْ رَّا بِرَبِّهٖ اَنْ
 یعنی جب زلیخا نے یوسف کا قصد کیا یوسف بھی زلیخا کا قصد کرتا اگر ہم حائل نہ ہوتے۔ اب کی طرف
 تو یوسف جیسا متقی نبی۔ اور اسکے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ وہ نبی زلیخا کی طرف مائل ہو ہی چکا تھا۔ اگر
 ہم نہ روکتے۔ اس میں سر یہ ہے کہ انسان میں ایک کشش محبت ہوتی ہے زلیخا کی کشش محبت اس قدر

غالب آدمی ہستی کہ اس کشش نے ایک متقی کو بھی اپنی طرف کھینچ لیا۔ سو جائے شرم ہے کہ ایک عورت میں جذبہ اور کشش اس قدر ہو کہ اسکا اثر ایک مضبوط دلیر ہو جاوے اور ایک شخص جو مومن ہو نہ کیا دھوکے کرتا ہے اس میں جذبہ محبت الہی اس قدر نہ ہو کہ لوگ اس کی طرف کھینچے چلے آویں۔ یہ عذر قابل پذیرائی نہیں کہ زبان میں یاد عظیمین اثر نہیں۔ اصلی نقص قوت جاذبہ میں ہے جب تک وہ کامل نہیں بنتا کہ زبانی خالی باتوں سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

اور ہمارے مسائل سو وہ بھی بالکل صاف ہیں مثلاً قرآن کی یہ آیت فلما توفیتی کنت انت الرقیب علیہم۔ اس میں ایک سوال جواب ہو خدا تعالیٰ مسیح علیہ السلام سے پوچھ گیا کہ کیا تو نے لوگوں کو ایسی تعلیم دی تھی کہ مجھے اور میری مان کو معبود بنا لینا تو وہ جواب میں عرض کرینگے کہ بارخدا! جب تک میں زندہ رہا اور ان میں رہا میں نے ان کو ایسی تعلیم نہیں دی۔ البتہ جب تو نے مجھ کو مار دیا تو پھر تو ہی انکا مگر ان حال تھا۔ مجھے کوئی علم نہیں کہ میرے پیچھے انہوں نے کیا کیا۔ کیسی موٹی بات ہے کہ خود مسیح اپنی وفات کا اقرار کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ عیسائی اگر بگڑے تو میری وفات کے بعد بگڑے۔ جب تک میں ان میں زندہ رہا تب تک وہ صحیح عقیدے پر قائم تھے۔ اب اگر عیسائی بگڑ گئے ہیں تو بالضرور مسیح مرنے کا ہے۔ اور اگر مسیح آج تک نہیں مرا تو پھر عیسائی بھی نہیں بگڑے۔ اور اگر عیسائی نہیں بگڑے تو بالضرور عقیدہ الوہیت مسیح بھی درست ہے۔ پھر مسیح کا یہ کہہ دینا کہ مجھے تو انکے بگڑیکا علم نہیں جیسے کہ اسی آیت سے پایا جاتا ہے کیا یہ جواب ان کا جھوٹا نہیں ہوگا۔ اگر ان کا دوبارہ دنیا میں آنا درست ہو کیونکہ یہ سوال جواب تو قیامت کو ہوگا۔ اور اگر انہوں نے دوبارہ دنیا میں آکر چالیس سال رہنا ہو۔ اور عیسائیوں اور کفار کو قتل کر کے اسلام کو پھیلانا ہے۔ تو بالضرور انہوں نے عیسائیوں کی بگڑی ہوئی حالت کو دیکھ لیا ہے اور اس بگڑی ہوئی حالت کو دیکھ کر وہ دوبارہ اس دنیا سے تشریف لے جاوینگے تو پھر جناب مسیح کا یہ جواب دینا خدا کے حضور میں دروغ بیانی ہو گیا وہ احکم الحاکمین نہ کہیگا کہ تو تو دوبارہ دنیا میں گیا اور تو نے دیکھ لیا کہ میری امت بگڑ چکی تھی۔ ایک مجازی حاکم کے آگے غلط بیانی دروغ علفی کے جوہر کا خطرناک ارتکاب ہے۔ چہ جائیکہ ایک عالم الغیب حاکم کی جناب میں ایسی دروغ بیانی ہو گئی تو گویا اس آیت نے بڑی صفائی کے ساتھ ایک طرف مسیح کی وفات کو ثابت کر دیا اور دوسری طرف انکے دوبارہ دنیا میں تشریف لائیکا بطلان کر دیا اسکے مقابل جب ہم حدیثوں پر غور کرتے ہیں تو وہاں سے بھی یہی نتیجہ نکلتا ہے۔ حضرت رسالتا ب نے فرمایا اور متفق علیہ حدیث ہے کہ میں نے جناب مسیح کو حضرت یحییٰ کے ساتھ دیکھا۔ حضرت یحییٰ کا مرنے کا اور ان کا اس جماعت میں داخل ہونا جن کی قبض روح ہو چکی ہے ثابت شدہ امر ہے۔ اب یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ مسیح بلا قبض روح و انتقال کرینگے ایک ایسے شخص کا جلیس بن جو دنیا سے مرچکا ہے اب ایک طرف قول خدا اور دوسری طرف روایت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر وفات

مسیح اور ان کا دوبارہ دینا مین واپس نہ آنا قطعی ثابت ہو گیا۔ اب بھی یہ لوگ اگر عقیدہ حیات مسیح سے باز نہ آویں تو یہی سمجھا جاوے گا کہ سچی ہدایت اور سعادت صرف خدا کی طرف سے ہونے کے حال پر تو پھر سعدی کا یہ قول صادق آتا ہے آنکس کہ بقراں و خیر زندہ رہی + نیست جوابش نہ ہی + رہا یہ کہ آئیوا الا کون ہے اسکا فیصلہ بھی قرآن وحدیث نے کر دیا سورہ نور نے صاف طور پر بیان کیا ہے کہ رسول اگر مہم کے خلفاء اس امت میں سے ہونگے۔ بخاری اور مسلم کا بھی یہی مذہب ہے کہ آئیوا الا مسیح اس امت میں سے ہو گا۔ اب ایک طرف قرآن وحدیث نبی اسرائیلی مسیح کی موت اور اسکے دوبارہ نہ آنیکو بیان کرتے ہیں دو بیڑن یہی قرآن وحدیث آئیوا لے مسیح کو اسی امت میں سے ٹھہراتے ہیں تو پھر اب انتظار کس بات کا ہو۔ اب علامات کو بھی دیکھ لیا جاوے۔ صدی کے سر پر مجد کا آنا سب سے تسلیم کیا ہے اور یہ بھی مانا ہے کہ مسیح بھی بطور مجد صدی کے سر پر آوے گا صدی میں سے بائیس سال گزر گئے اور اسوقت تک مجد و نظر نہیں آیا آخر اس صدی کے سر پر جس مجد نے آنا تھا وہ کہاں ہے۔ مہدی کا نشان کسوف وخسوف تھا جو رمضان میں ہوتا تھا۔ اس کسوف وخسوف پر بھی آٹھ سال گزر گئے مہدی نہ آیا۔ اگر یہ کہا جاوے کہ نشان تو ہو گیا لیکن صاحب نشان بعد میں آوے گا تو یہ عقیدہ بڑا فاسد ہے اور قسم قسم کے فسادات کی بنا ہے۔ اگر ایک زمانہ کے بعد کچھ عیسائیاں مہدویت کے مدعی ہو جاویں تو پھر ان میں کون فیصلہ کریگا ضرور کچھ صاحب نشان نشان کے ساتھ ہو۔ یہ لوگ نمبر و نہ پڑ کر صدی کے سرے کو اور کسوف وخسوف کو یاد کیا کرتے اور روتے تھے لیکن جب وہ وقت آیا تو یہی لوگ دشمن بن گئے۔ حدیث کے مطابق تمام نشان واقع ہو گئے لیکن یہ لوگ اپنی ضد سے باز نہیں آتے کسوف خسوف کا عظیم الشان نشان ظاہر ہو گیا لیکن خدا کے اس نشان کی قدر نہ کی گئی۔ اسی طرح کل انبیاء کی کتب سابقہ اور قرآن وحدیث میں ایک اور بلا کی طرف اشارہ تھا جو کسوف خسوف کے آسمانی نشان کے بعد آئیوا لاکھا اور وہ طاعون ہے جو وہ بھی مسیح کے زمانہ سے وابستہ تھی یہ ایک خطرناک مصیبت ہے جس کی طرف ہر ایک اللہ عز و جل نے بالتصريح یا بالاجمال اشارہ کیا ہے طاعون آگئی۔ لاکھوں انسان تباہ ہو گئے اور نہ معلوم کب تک اسکی تباہی چلتی رہے گی لیکن جس موعود کے زمانہ کی شناخت کا یہ نشان ہے اسے اب تک ان لوگوں نے نہ پہچانا۔ اسی طرح زمین اور آسمان نے شہادت دی۔ لیکن ان شہاد تو مکرری سمجھا گیا۔ خدا غیور ہو اور وہ اپنی غیرت دکھلاے گا ایک مجازی حاکم عدول حکمی پسند نہیں کرتا تو وہ احکام الہی کی غیور خدا کب اس عدول حکمی کو بلا سزا چھوڑے گا ایک اور نشان اس زمانہ کا وہ کسی سواری تھی جس نے اوٹو ٹو کو بیکار کر دینا تھا۔ قرآن نے عرش العشار عطلت۔ (جب اونٹنیاں بیکار ہو جاویں گی) کہہ کر اس زمانہ کا پتہ بتلایا۔ حدیث مسیح کے نشان میں یون کہا۔ لیکن القلاص قلاسی بھی پھر یہ نشان کیا پورا نہ ہوا تھے کہ اس سرزمین میں بھی جہان آن تک اونٹنی کی سواری تھی اور بغیر اونٹوں کے گذر نہ تھا۔ وہاں بھی اس سواری کا انتظام نہیں

اور چند سالوں میں اونٹوں کی سواری کا نام نشان نہیں ملیگا۔ اوشنیاں بیکار ہوئیں۔ مقرر کردہ نشان پورے ہو گئے۔ لیکن جس کا یہ نشان تھا وہ پہچان نہ گیا۔ یہ امور بھی میرے اختیار میں تھے کہ ایک طرف تو میں دعویٰ کروں۔ اور دوسری طرف یہ نشان پورے ہوتے جا دیں۔ کیا آسمانی نظام پر بھی میرا دخل ہے جو کسوف و خسوف موعود کو پیدا کر لیتا۔ یا میرے ہاتھ میں کوئی ایسے ہوا دہن جن سے زمین پر موعود طاعون پیدا ہو گئی۔ یا حج کار و کنا جو بھی مسیح کا نشان تھا۔ کیا یہ بھی میرے اشارہ سے ہوا۔ اسی طرح بیسیوں نشان زمانہ مسیح کے ساتھ وابستہ تھے وہ سب پورے ہو گئے۔ خدا تعالیٰ نے کونسی جبت کو ان پر پورا نہیں کیا لیکن ان کا انکار بھی اسی طرح ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ زمانہ میں دہریت پھیلی ہوئی ہے جو خفیہ خفیہ سب دلوں پر اثر کر رہی ہے۔ خشیتِ الہی و ن بدن مفقود ہو رہی ہے۔ کان رکھتے ہیں۔ پر سن نہیں سکتے۔ نہ نکھیں رکھتے ہیں پر نہیں دیکھتے۔ دل رکھتے ہیں پر نہیں سمجھتے ہی وجہ یہ کہ انکار و الامعا ملہ تو بہت ہی صاف تھا۔ میری کتابوں کے دیکھنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ کس قدر اتمام حجت کی گئی ہے اب انکے پاس کوئی جواب نہیں خدا نے قوی دلائل انکار و ریشہ کاٹ دیا ہے لیکن یہ نہیں دیکھتے۔ ایک مامور کی شناخت کے تین طریق ہیں۔ نقل۔ عقل۔ تائیدات سماوی۔ اب دیکھنا چاہئے کہ یہ تینوں امور اس سلسلہ کے مؤید ہیں۔ دانیال اور دیگر انبیائے قدامت کے آئینا زمانہ مقرر کر دیا ہے حتیٰ کہ صدی اور سال بھی مقرر کر دیا ہے۔ تمام عیسائیوں میں ایک قسم کی گھبراہٹ ہوئی ہے کیونکہ کتب سابقہ کے مطابق مسیح کی آمد کا وقت آچکا ہے اور مسیح آگئی۔ اس لئے بعض علماء اخیر مجبور ہو کر اس طرف گھڑے ہیں کہ مسیح کی آمد ثانی سے مراد کلیسیا کی ترقی ہو جو ہو چکی ہے۔ اسی طرح ہماری کتب کے مطابق بھی بعثت مسیح کا یہی زمانہ ہے حج الکرامہ والے نے لکھا ہے کہ کل اہل کثوف اسی طرف گئے ہیں کہ مسیح کی آمد ثانی کے لئے چودھویں صدی مقرر ہے شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی اسی زمانہ کے لئے اسے چراغ دین کہا ہے۔ غرضیکہ ہر ایک بزرگ نے جو زمانہ مقرر کیا ہے۔ وہ چودھویں صدی سے آگے نہیں گیا اگرچہ ان میں کچھ اختلاف ہے۔ چودھویں صدی میں لطیف اشارہ اس طرف تھا کہ دین اسلام چودھویں رات کے چاند کی طرح اس زمانہ میں چمک اٹھے گا جس طرح چاند کا کمال چودھویں رات کو ہوتا ہے اسی طرح اسلام کا کمال کل دنیا میں چودھویں صدی میں ظاہر ہوگا۔ تیرھویں صدی کی تاریکی ان لوگوں میں ضرب المثل ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس صدی کے علماء سے بھیڑیوں نے بھی نجات مانگی تھی۔ یہ لوگ چودھویں صدی کے لئے منتظر تھے۔ لیکن جب صدی آگئی تو اپنی بدبختی کے باعث انکار کر گئے اسی طرح قرآن میں ذکر ہے۔

”لما جاء ہم کتب من عند اللہ مصدق لما سمعوا کالوا من قبل سینفختون علی الذین کفروا فلما جاء ہم ماعرفوا کفروا بہ“ اہل کتاب منتظر تھے کہ پیغمبر کے آنے پر وہ اس کے ساتھ مل کر کفار سے جنگ کریں گے۔ لیکن جب پیغمبر آیا تو انکار پر آمادہ ہو گئے۔

عقل کے نزدیک بھی زمانہ مسیح کا ہی معلوم ہوتا ہے اور اسلام استغدر کمزور ہو گیا ہو کہ ایک وقت ایک شخص کے مرتد ہو جانے پر اسلام میں شور مچاتا تھا۔ لیکن اب لاکھوں مرتد ہو گئے رات دن نماز و نفقہ اسلام میں کتب تصنیف ہو رہی ہیں اسلام کی بیخ کنی کے واسطے طرح طرح کی نجا و نیز ہو رہی ہیں عقل پسند نہیں کرتی کہ جس خدا نے انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ الحاقطون کا وعدہ دیا ہے وہ اس وقت اسلام کی حفاظت نہ کرے اور خاموش رہے یہ زمانہ کس قسم کی مصیبت کا اسلام پر ہے کہ شرفا کی اولاد دشمن اسلام ہو کر گریباؤں میں چلے گئے اور کھلے طور پر رسول اکرم کی توہین ہو رہی ہے ہر ایک قسم کی گالی اور سب و شتم میں لگا دیا جاتا ہے۔ ان تمام امور کو یہ بیعت مجموعی اگر دیکھا جائے تو عقل کہتی ہے کہ یہی وقت خدا کی تائید کا ہے اور میں تم کو سچ کہتا ہوں کہ اگر یہ سلسلہ قائم نہ ہوتا تو اسلام برباد ہو چکا تھا۔ سو خدا کے وجود کا یہ بھی ایک نشان ہے کہ عین ضرورت کے وقت خدا تعالیٰ نے اس سلسلہ کو قائم کیا اور عین مصیبت کے وقت اسلام کو سنبھالا۔

تائیدات سماوی بھی اگر دیکھی جاویں تو یہاں بھی ایک بڑا خزانہ ہے۔ خدا تعالیٰ نے اپنے فضل سے ہزار ہا نشان میرے ماتھے پر ظاہر کئے اگر میں ان تمام نشانوں کو جمع کروں جو ہر روز زمین اور میرے ساتھ رہنے والے دیکھتے ہیں تو ان کی تعداد لاکھ کے قریب ہو جاتی ہے۔ قطع نظر اسکے صرف براہین حقہ کے بعض الہامات کو دیکھا جاوے جو میرے سر پر ہوئے کہ یہ کتاب تصنیف ہوئی جو اس وقت مکہ مدینہ مصر نجارا لنڈن اور البیساہی ہندوستان کے ہر ایک حصہ میں پہنچ گئی۔ کئی ایک پاپریوں اور دیگر مخالفین اسلام کے گھروں میں اس وقت پہنچ گئی۔ اب اس کتاب میں مثلاً لکھا ہو کہ خدا کی طرف سے مجھے ارشاد ہے کہ اس وقت تو اکیلا ہے اور تیرے ساتھ کوئی نہیں لیکن ایک وقت آوے گا کہ لوگ تیرے پاس دور دور سے آویگے (یا توں من کل ریح عمیق) تو لوگوں میں پہچانا جاوے گا اور تیری شہرت کی جاوے گی۔ تیری امداد و تائید کو دور دور سے لوگ آویگے۔ پھر کہ لوگ کثرت سے آویگے اور تو ان سے نرمی اور اخلاق سے پیش آنا۔ ان کی ملاقات سے مت گھبرانا اور لا تصور خلق الصد ولا نسئ من السماء) پھر آخر کار فرمایا اذ جاء نصر الصد والفتح۔ و انتہی امر الزمان البینا۔ ایس ہذا بالحق۔ یعنی جب خدا کی فتح اور نصرت آوے گی۔ اور زمانہ کا امر تیری طرف ہستی ہو گا تو اس وقت کہا جائے گا کہ کیا یہ سلسلہ حق نہیں۔ اب لاہور اور امرت سر کے لوگ اور ایسا ہی پنجاب کے اکثر لوگ اس بات سے واقف نہیں کہ براہین کی اشاعت کی وقت مجھے کوئی جانتا نہیں تھا جتنے کہ قادیان میں بھی بہت کم لوگ ہونگے جو مجھے پہچانتے ہونگے۔ پھر یہ امور کس طرح پورے ہو رہے ہیں۔ اگرچہ یہ پیشگوئیاں بدرجہ اتم بھی پوری نہیں ہوئیں لیکن جس قدر ان الہامات کا ظہور ہوتا ہے وہ طالب حق کے لئے کافی ہے۔ اب کیا یہ میری بناوٹ ہے کہ ایک انسان

آج سے چوبیس سال پہلے آج کل کے واقعات کا نقشہ کھینچ سکتا ہے کیا کوئی کہہ سکتا کہ وہ ہزار باخلاق کامر جمع ہو گا خصوصاً جبکہ ایک مدت تک ان امور کا ظہور نہ ہوا۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ امور کسی فراست کا نتیجہ نہیں ہو سکتے۔ ان امور کو دیکھ کر میں کہہ سکتا ہوں کہ جس قدر نشانات خدا تعالیٰ نے میری تائید میں ظاہر کئے وہ اپنی تعداد اور شوکت میں ایسے ہیں کہ بجز حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کل انبیاء و مرسلین سے ایسے ثابت نہیں ہوئے لیکن اس میں میرا کیا فخر ہے۔ یہ سب کچھ تو اس پاک نبی کی فضیلت ہے جسکی امت میں ہونی کا مجھے فخر حاصل ہے۔ پھر میں کہتا ہوں کہ آج کل کے پیرزادوں اور سجادہ نشینوں کو آزمالو۔ کسی پادری یا کسی مذہب کے سرگروہ کو میرے مقابل میں لاؤ خدا تعالیٰ نشان نمائی میں بالضرور اسکو میرے مقابل خستہ اور ذلیل کرے گا۔ یہاں تو نشانوں کا دریا بہ رہا ہے۔ میرے دوست اس الہام سے خوب واقف ہیں جو دس بارہ سال ہوئے خدا تعالیٰ نے مجھے فرمایا انی معین من اراد انک شکوانی معین من اراد اعاشک۔ اس ایک الہام کو جس قدر مختلف مواقع اور محل پر میرے دوستوں نے پورا ہوتے دیکھا کس طرح لوگوں نے میری امانت اور تذلیل کے لئے بڑے اکٹھے اور کس طرح وہ خود ہی ذلیل اور خوار ہو گئے اسکی ایک مثال نہیں بلکہ کئی ایک مثالیں ہیں ان میں ضرور ہے کہ ان نشانات کو دیکھ کر بھی لوگ ابھی گمراہ ہیں سو بات یہ ہے کہ دنیا میں ہمیشہ سے دو گروہ چلے آئے ہیں ایک سید و سرماشتی۔ ابو جہل نے ہزاروں نشان دیکھے لیکن وہ کافر ہی رہا۔ سو اس صورت میں مومن کے لئے ضرور ہے کہ وہ دو عالمین لگجائے۔ آپ نے جو آج مجھ سے بیعت کی ہے یہ تخم ریزی کی طرح ہے۔ چاہئے کہ آپ مجھ سے اکثر ملاقات کریں اور اس تعلق کو مضبوط کریں جو آج قائم ہوا ہے جس شلخ کا تعلق درخت سے نہیں رہتا وہ آخر کار خشک ہو کر گر جاتی ہے جو شخص زندہ ایمان رکھتا ہے وہ دنیا کی پروا نہیں رکھتا دنیا ہر طرح لمبائی ہے۔ دنیا پر دین کو مقدم رکھنے والا ہی مبارک ہے لیکن جو دنیا کو دین پر مقدم رکھتا ہو وہ ایک مردار کی طرح ہے۔ جو کبھی سچی نصرت کا منہ نہیں دیکھتا۔ یہ بیعت اس وقت کام آسکتی ہے جب دین کو مقدم کر لیا جاوے۔ اور اس میں ترقی کرنیکی کوشش ہو۔ بیعت ایک بیج ہے جو آج بویا گیا اب اگر کوئی کسان صرف زمین میں تخم ریزی پر ہی قناعت کرے اور پھل حاصل کر نیلے جو جو فرائض ہیں ان میں سے کوئی ادا نہ کرے نہ زمین کو درست کرے اور نہ آبیاری کرے اور نہ موقع بہ موقع مناسب کھاد زمین میں ڈالے نہ کافی حفاظت کرے تو کیا وہ کسان کسی پھل کی امید کر سکتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ اسکا کھیت بالضرور تباہ اور خراب ہو گا کھیت اسی کام ہو گا۔ جو پورا زمیندار بنے گا۔ سو ایک طرح کی تخم ریزی آپ نے بھی آج کی ہے۔ خدا جاننا ہے کہ کس کے مقدور میں کیا ہے لیکن خوش قسمت وہ ہے جو اس تخم کو محفوظ رکھے اور اپنے طور پر ترقی کے لئے دعا کرتا رہے۔ مثلاً نماز و نین ایک

قسم کی تبدیلی ہونی چاہئے میں دیکھتا ہوں کہ آج کل لوگ جس طرح نماز پڑھتے ہیں وہ محض ٹکڑے مانا ہے ان کی نماز میں اس قدر بھی رقت اور لذت نہیں ہوتی جس قدر نماز کے بعد اٹھا کر دعائیں ظاہر کرتے ہیں۔ کاش یہ لوگ اپنی دعائیں نماز میں ہی کرتے شاید ان کی نمازوں میں حضور اور لذت پیدا ہو جاتا۔ مسئلے میں حکماً آپکو کہتا ہوں کہ سر و دست آپ بالکل نماز کے بعد دعا نہ کریں اور وہ لذت اور حضور جو دعا کے لئے رکھا ہے دعاؤں کو نمازوں میں کر نیسے پیدا کریں۔ پیر مطلب یہ نہیں کہ نماز کے بعد دعا کرنی منع ہے لیکن میں چاہتا ہوں کہ جب تک نماز میں کافی لذت و حضور پیدا ہو نماز کے بعد دعا کرنے میں نماز کی لذت کو مت گنواؤ۔ ہاں جب یہ حضور پیدا ہو جائے تو کوئی ہرج نہیں سو بہتر ہے کہ نماز میں دعائیں اپنی زبان میں مانگو جو طبعی جوش نفسی کی مادری زبان میں ہوتا ہے وہ ہرگز غیر زبان میں پیدا نہیں ہو سکتا سو نمازوں میں قرآن اور مانورہ دعاؤں کے بعد اپنی ضرورت کو برنگ دعا اپنی زبان میں خدا تعالیٰ کے آگے پیش کرنا کہ آہستہ آہستہ تمکو حلاوت پیدا ہو جائے سب عمدہ دعایہ ہے کہ خدا کی رضامندی اور گناہ سے نجات حاصل ہو کیونکہ گناہوں سے ہی دل سخت ہوتا اور انسان دنیا کا گیر بن جاتا ہے۔ ہماری دعایہ ہونی چاہئے کہ خدا تعالیٰ ہم سے گناہوں کو جو دل کو سخت کر دیتے ہیں دور کر دے اور اپنی رضامندی کی راہ دکھائے۔ دنیا میں مومن کی مثال اس سوار کی ہے کہ جو جنگل میں جا رہا ہے اور راہ میں بسبب گرمی اور تھکان سفر کے ایک درخت کے نیچے سستانے کے لئے ٹھہر جاتا ہے لیکن ابھی گھوڑے پر سوار ہے اور کھڑا کھڑا گھوڑے پر ہی کچھ آرام لیکر آگے اپنے سفر کو جاری رکھتا ہے لیکن جو شخص اس جنگل میں گھرنے والے وہ ضرور درختوں کا شکار ہو گا مومن دنیا کو گھر نہیں بناتا اور جو ایسا نہیں خدا اس کی پروا نہیں کرتا۔ نہ خدا کے نزدیک دنیا کو گھر بنانے کی عزت ہے۔ خدا مومن کی عزت کرتا ہے حدیث میں آیا ہے کہ مومن نوافل کے ساتھ خدا کا قرب حاصل کر لیتا ہے۔ نوافل سے مراد یہ ہے کہ خدمت مقرر کردہ مین زیادتی کیجاوے۔ ہر ایک خیر کے کام میں دنیا کا بندہ ٹھوڑا سا کوشش کرتا ہے لیکن مومن زیادتی کرتا ہے۔ نوافل صرف نماز سے ہی مختص نہیں بلکہ ہر ایک حسنة میں زیادتی کرنا نوافل ادا کرنا ہے۔ مومن محض خدا کی خوشنودی کیلئے ان نوافل کی فکر میں لگا رہتا ہے اسکے دل میں ایک درد ہے جو اسے بے چین کرتا ہے اور وہ دن بدن نوافل و حسنة میں ترقی کرتا جاتا ہے اور بالمقابل خدا بھی اسکے قریب ہوتا جاتا ہے حتیٰ کہ مومن اپنی ذات کو فنا کر کے خدا کے سایہ تلے آ جاتا ہے۔ پھر اس کی آنکھ خدا کی آنکھ اسکے کان خدا کے کان ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ وہ کبھی معاملہ میں خدا کی مخالفت نہیں کرتا۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ اسکی زبان خدا کی زبان اور اسکا ماتھ خدا کا ماتھ ہو جاتا ہے پھر خدا تعالیٰ نے فرماتا ہے کہ مجھے کسی بات میں استغدر نہ دو آمین ہوتا جبکہ مومن کی جان لگانے میں تردد ہوتا ہے۔ یوں تو خدا کی ذات سب

تردوات سے پاک ہے لیکن یہ فقرہ جو فرمایا تو مومن کے اکرام کے لئے فرمایا۔ اب دوسرے لوگ
کیڑے کوڑوں کی طرح مرجاتے ہیں لیکن مومن کا معاملہ دگرگون ہے مجھے یہ سمجھ آتی ہے کہ جو صلی
اور انبیاء کی زندگی آئے دن طرح طرح کی بیماریوں میں مبتلا رہتی ہے اور بعض وقت ان کو خوفناک
امراض لاحق ہو جاتے ہیں جیسے کہ ہمارے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت تھی۔ یہ
اس تردّد کا اظہار ہے جس کا اوپر ذکر ہوا ہے گویا اللہ تعالیٰ اس سے معاملہ ایسا کرتا ہے جیسا
ایک انسان تردّد کی حالت میں کرتا ہے۔ اور خوفناک بیماریوں سے اسے نجات دیکر ظاہر
کرتا ہے کہ وہ اسے معمولی انسانوں کی طرح ضائع نہیں کرتا۔ قرآن اور حدیث سے ثابت ہے
کہ مومن کی ہر ایک چیز بרכת ہو جاتی ہے جہاں وہ بیٹھتا ہے وہ جگہ دوسروں کے لئے موجب
برکت ہوتی ہے اسکا پس خوردہ اور دنگے لئے شفا ہے حدیث میں آیا ہے کہ ایک گنہگار خدا
تعالیٰ کے سامنے لایا جا دیکھا خدا تعالیٰ اس سے پوچھ گیا کہ تو نے کوئی نیک کام کیا۔ وہ کہہ گیا کہ
نہیں۔ پھر خدا تعالیٰ اسکو کہہ گیا کہ فلاں مومن کو تو ملا وہ کہہ گیا۔ خداوند امین ارادتا تو کبھی نہیں ملا۔
وہ خود ہی ایک دن مجھے راستہ میں مل گیا۔ خدا تعالیٰ اسے بخش دیا۔ پھر ایک اور موقع پر حدیث
میں آیا ہے کہ خدا تعالیٰ فرشتوں سے دریافت کر لیا کہ میرا ذکر کہاں پر ہوتا ہے وہ کہیں گے کہ
ایک حلقہ مومنین کا تھا جہاں دنیا کے ذکر کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ البتہ ذکر الہی آٹھون پر ہوتا
ہے۔ ان میں یہ ایک دنیا پرست شخص تھا۔ اللہ تعالیٰ فرما دیکھا کہ میں نے اس دنیا دار کو اس ہم نشین
کے باعث بخش دیا۔ انہم قوم لایثمنی جلیسہم۔ بعض حدیثوں میں آیا ہے کہ جہاں ایک مومن امام
ہو۔ اس کے مقتدی پیش آئیں کہ وہ سجدہ سکا سر اٹھاوے بخشد لئے جائے ہیں۔

مومن وہ ہے کہ جس کے دل میں محبت الہی نے عشق کے رنگ میں جڑ پکڑ لی ہو۔ اس نے فیصلہ
کر لیا ہو کہ وہ ہر ایک تکلیف اور ذلت میں بھی خدا کا ساتھ نہ چھوڑے گا اب جس نے یہ فیصلہ کر لیا ہو کہ کبھی
کاشنس کہتا ہے کہ وہ ضائع ہو گا۔ کیا کوئی رسول ضائع ہوا۔ دنیا ناخون تک انکو ضائع کرنے کی
کوشش کرتی ہے لیکن وہ ضائع نہیں ہوتے۔ جو خدا کے لئے ذلیل ہوا وہی انجام کار عزت
وجلال کا تخت نشین ہوا۔ ایک ایو بکر کو ہی دیکھو جس نے سب سے پہلے ذلت قبول کی اور سب سے
پہلے تخت نشین ہوا۔ اس میں شک نہیں کہ پہلے کچھ نہ کچھ دکھا اٹھا تا پڑتا ہے۔ کسی نے سچ کہا ہے۔
عشق اول سرکش و خونی بود + ناگزیر دہر کہ میردنی بود + عشق الہی بیشک اول سرکش و خونی
ہوتا ہے تاکہ نا اہل دور ہو جاوے۔ عاشقان خدا تکالیف میں ڈالے جاتے ہیں قسم قسم کے مالی
اور جسمانی مصائب اٹھاتے ہیں اور اس سے غرض یہ ہوتی ہے کہ ان کے دل پہچانے جاویں۔
خدا تعالیٰ نے یہ امر مقرر کر دیا ہے کہ جب تک کوئی پہلے دوزخ پر راضی نہ تھاوے بہشت میں نہیں جاتا۔

بہشت دیکھنا اسی کو نصیب ہوتا ہے جو پہلے دوزخ دیکھنے کو تیار ہوتا ہے دوزخ سے مراد آئندہ دوزخ نہیں بلکہ اس دنیا میں مصائب شدائد کا نظارہ مراد ہے۔ اسی طرح ایک حدیث میں آیا ہے کہ کافر کے لئے دوزخ بہشت کے رنگ میں اور مومن کے لئے بہشت دوزخ کے رنگ میں متزلز کیا جاتا ہے۔ کافر جو دنیا کا طالب ہو دنیا میں نہ ہو کر سب دنیا ہو جاتا ہے مومن ایک عاشق ہے جو دنیا کو طلاق دیکر ہر ایک تکلیف سہنے کو تیار ہوتا ہے۔ اور فی الواقع یہ عشق ہی ہے جو اسے ہر کم کی تکلیف سہنے کے لئے آمادہ کر دیتا ہے۔ مومن کا رنگ عاشق کا رنگ ہوتا ہے اور وہ اپنے عشق میں صادق ہوتا ہے۔ اور اپنے معشوق بیٹے خدا کے لئے کامل اخلاص اور محبت اور جان فدا کر نیوالا جو ش اپنے اندر رکھتا ہے۔ اور تضرع اور استہمال اور ثابت قدمی سے اسکے حضور میں قائم ہوتا ہے۔ دنیا کی کوئی لذت اس کے لئے لذت نہیں ہوتی۔ اس کی روح اسی عشق میں پرورش پاتی ہے۔ معشوق کی طرف سے استغناء دیکھ کر وہ گھبراتا نہیں۔ اس طرف سے خاموشی اور بے اتفاقی بھی معلوم کر کے وہ کبھی ہمت نہیں ہارتا۔ بلکہ ہمیشہ قدم آگے ہی رکھتا ہے۔ اور درود زیادہ سے زیادہ پیدا کرتا جاتا ہے۔ ان دو چیزوں کا ہونا ضروری ہے کہ مومن عاشق کی طرح فطرتاً ہی میں پورا استغراق ہو۔ عشق کمال ہو۔ محبت میں سچا جوش اور عہد عشق میں ثابت قدمی ایسی کوٹ کوٹ کے بھری ہو کہ جس کو کوئی صدمہ جنبش میں لانا سکے۔ اور معشوق کی طرح فطرتاً ہی بے پروا اور خاموشی ہو۔ درود و قسم کی موجود ہو۔ ایک تو وہ جو اللہ تعالیٰ کی محبت کا درد ہو۔ دوسرا وہ جو کسی کی مصیبت پر دلمین درد اسٹھے اور تیر خواہی کے لئے اضطراب پیدا ہو اور اس کی اعانت کے لئے بے چینی پیدا ہو۔ خدا تعالیٰ کی محبت کے لئے جو اخلاص اور درد ہوتا ہے اور ثابت قدمی اسکے ساتھ ملی ہوئی ہوتی ہے۔ وہ انسان کو بشریت سے الگ کر کے الوہیت کے سایہ میں لاؤ الٹا ہو جب تک اس حد تک درد اور عشق نہ پہنچ جائے کہ جس میں غیر اللہ سے محبت حاصل ہو جائے اس وقت تک انسان خطرات میں پڑا رہتا ہے۔ ان خطرات کا استیصال بغیر اس امر کے مشکل ہوتا ہے کہ انسان غیر اللہ سے بالکل منقطع ہو کر اسی کا ہو جائے اور اس کی رضا میں داخل ہونا بھی محال ہوتا ہے اور اس کی مخلوق کے لئے ایسا درد ہونا چاہئے جس طرح ایک نہایت ہی مہربان والدہ اپنے ناتوان پیارے بچے کے لئے دل میں سچا جوش محبت کھتی ہے۔ خدا تعالیٰ ایک تعلق چاہتا ہو اور اسکے حضور میں دعا کرانیکے لئے تعلق کی ضرورت ہے بغیر تعلق کے دعا نہیں ہو سکتی۔ پہلے بزرگوں کی بھی اسی قسم کی باتیں چلی آتی ہیں کہ جن سے دعا کرانیا کو دعا کرانے سے پہلے تعلق ثابت کرنے کی تاکید کی۔ خواہ نخوہ بازار میں چلتے ہوئے کسی بے تعلق کو کوئی نہیں کہہ سکتا کہ تو میرا دوست ہے اور نہ ہی اسکے لئے درود مل ہی رہتا

ہے اور نہ ہی جوش و عا پیدا ہو سکتا ہو۔ اللہ تعالیٰ سے تعلق اس طرح نہیں ہو سکتا کہ انسان غفلت کا رین مین مبتلا بھی رہے اور صرف منہ سے دم بھرتا رہے کہ میں نے خدا سے تعلق پیدا کر لیا ہے۔ اکیلے بیعت کا اقرار اور سلسلہ میں نام لکھا لینا ہی خدا سے تعلق پر کوئی دلیل نہیں ہو سکتی۔ اللہ تعالیٰ سے تعلق کیلئے ایک نحویت کی ضرورت ہو۔ ہم بار بار اپنی جماعت کو اس بات پر قائم ہونیکے لئے کہتے ہیں کیونکہ جب تک دنیا کی طرف سے انقطاع اور اسکی محبت و دوستی ٹھنڈی ہو کر اللہ تعالیٰ کیلئے فطرتوں میں طبعی جوش اور نحویت پیدا نہیں ہوتی اسوقت تک ثبات میر نہیں آسکتا۔ بعض صوفیوں نے لکھا ہے کہ صحابہ جب نماز میں پڑھا کرتے تھے تو انہیں ایسی محویت ہوتی تھی کہ جب فارغ ہوتے تو ایک دوسرے کو پہچان بھی نہ سکتے تھے۔ جب انسان کسی اور جگہ سے آتا ہے تو شریعت نے حکم دیا ہو کہ وہ اگر اسلام علیکم کہے نماز سے فارغ ہوتے وقت اسلام علیکم و رحمۃ اللہ کے کہنے کی حقیقت یہی ہے کہ جب ایک شخص نے نماز کا عقدا بندھا اور اللہ اکبر کہا تو وہ گویا اس عالم سے نکل گیا اور ایک نئے جہان میں جاداخل ہوا گویا ایک تمام نحویت میں جا پہنچا پھر جب وہاں سے واپس آیا تو اسلام علیکم و رحمۃ اللہ کہہ کر آن ملا۔ لیکن صرف ظاہری صورت کافی نہیں ہو سکتی۔ جب تک دل میں اسکا اثر نہ ہو۔ چھلکوں سے کیا ہاتھ آسکتا ہے۔ محض صورت کا ہونا کافی نہیں۔ حال ہونا چاہئے۔ علمت غائی حال ہی ہے۔ مطلق قال اور صورت جسکے ساتھ حال نہیں ہوتا وہ تو الٹی ہلاکت کی راہیں ہیں۔ انسان جب حال پیدا کر لیتا ہے اور اپنے حقیقی خالق و مالک سے ایسی سچی محبت اور اخلاص پیدا کر لیتا ہے کہ یہ بے اختیار اس کی طرف پروا کرنے لگتا ہے اور ایک حقیقی نحویت کا عالم اسپر طاری ہوتا ہے تو اسوقت اس کیفیت سے انسان گویا سلطان بن جاتا ہے۔ اور ذرہ ذرہ اسکا خادم بن جاتا ہے مجھے تو اللہ تعالیٰ کی محبت ایسی نحویت دی تھی کہ تمام دنیا سے الگ ہو بیٹھا تھا۔ تمام چیزیں سوائے اسکے مجھے ہرگز بھاتی نہ تھیں میں ہرگز ہرگز حجرہ سے باہر قدم رکھنا نہیں چاہتا تھا۔ میں نے ایک لمحہ کے لئے بھی شہرت کو پسند نہیں کیا۔ میں بالکل تنہائی میں تھا اور تنہائی ہی مجھ کو بھاتی تھی۔ شہرت اور جماعت کو جس نفرت سے میں دیکھتا تھا۔ اسکو خدا ہی جانتا تھا میں تو طبعاً گناہی کو چاہتا تھا۔ اور یہی میری آرزو تھی۔ خدا نے مجھ پر جبر کر کے اس سے مجھے باہر نکالا۔ میری ہرگز مرضی نہ تھی۔ مگر اس نے میرے خلاف مرضی کیا۔ کیونکہ وہ ایک کام لینا چاہتا تھا۔ اس کام کے لئے اس نے مجھے پسند کیا اور اپنے فضل سے مجھ کو اس عہدہ علیحدہ پر مامور فرمایا۔ یہ اسی کا اپنا انتخاب اور کام ہے میرا اس میں کچھ دخل نہیں۔ میں تو دیکھتا ہوں کہ میری طبیعت اس طرح واقع ہوئی ہے کہ شہرت اور جماعت کو میں پسند کرتا ہوں اور مجھے سمجھ میں نہیں

آٹا کہ لوگ کس طرح شہرت کی آرزو رکھتے ہیں۔ میری طبیعت اور طرف جاتی تھی لیکن خدا مجھے اور طرف نہ جاتا تھا میں نے بار بار دعا مانگی لیکن کہ جسے گوشتہ میں ہی رہنے دیا جائے مجھے میری خلوت کے حجرے میں چھوڑ دیا جائے لیکن بار بار یہی حکم ہوا کہ اس سے نکلو اور دین کا کام جو اس وقت سخت مصیبت کی حالت میں تھا اسکو سنو اور۔ انبیاء کی طبیعت اسی طرح واقعہ ہوتی ہے کہ وہ شہرت کی خواہش نہیں کیا کرتے کسی نبی نے شہرت کی کبھی خواہش نہیں کی۔ ہمارے بنی صلح بھی خلوت اور تنہائی کو ہی پسند کرتے تھے آپ عبادت کر تھکے لئے لوگوں سے دور تنہائی کی غار میں جو غار حرا تھی چلے جاتے تھے۔ یہ غار فقہ خوفناک تھی کہ کوئی انسان اس میں جانے کی جرأت نہ کر سکتا تھا۔ لیکن آپ نے اسکو اسلئے پسند کیا ہوا تھا کہ وہاں کوئی ڈر کے مارے بھی نہ ہو چھٹکا۔ آپ بالکل تنہائی کو چاہتے تھے شہرت کو ہرگز پسند نہیں کرتے تھے مگر خدا کا حکم ہوا یا ایسا اللہ شرم خانہ۔ اس حکم میں ایک جبر معلوم ہوتا ہے اور اسی لئے جبر سے حکم دیا گیا کہ آپ تنہائی کو جو آپ کو بہت پسند تھی اب چھوڑ دین۔ بعض لوگ بیوقوفی اور حماقت سے یہی خیال کرتے ہیں کہ گویا میں شہرت پسند ہوں۔ میں بار بار کہہ چکا ہوں کہ میں ہرگز شہرت پسند نہیں خدا نے جبر سے مجھ کو مامور کیا ہے میرا اس میں کیا قصور ہے اس نے مجھے مامور کیا ہے اور وہی گواہ ہے کہ میں شہرت پسند نہیں ہوں۔ میں دنیا سے ہزاروں کوسوں بھاگتا تھا خدا کا سدا لوگوں کی طرف چونکہ زمین اور اس کی اشیاء تک ہی نظر محدود ہوتی ہے اور وہ دنیا کے کپڑے ہیں اور شہرت پسند ہوتے ہیں انکو اس خلوت گزینی اور بے تعلقی کی کیفیت ہی معلوم نہیں ہو سکتی۔ ہم تو دنیا کو نہیں چاہتے اگر وہ جہاں میں اور اس پر قدرت رکھتے ہیں تو سب دنیا لیا جائے۔ ہمیں ان پر کوئی گناہ نہیں۔ ہمارا ایمان تو ہمارے دلیں ہے نہ دنیا کے ساتھ۔ ہماری خلوت کی ایک ساعت ایسی قیمتی ہے کہ ساری دنیا اس ایک ساعت پر قربان کرنا چاہئے اس طبیعت اور کیفیت کو سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا مگر ہم نے خدا کے امر پر جان و مال و آبرو کو قربان کر دیا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کسی کے دلیں بخشی کرتا ہے تو پھر وہ پوشیدہ نہیں رہتا۔ عاشق اپنے عشق کو خواہ کیسے ہی پوشیدہ کرے مگر بھید پائیوالے اور تاڑنے والے قرائن اور آثار اور حالات سے پہچان ہی جاتے ہیں۔ عاشق پر وحشت کی حالت نازل ہو جاتی ہے اور اسی اسکے سارے وجود پر چھا جاتی ہے۔ الگ قسم کے خیالات اور حالات اسکے ظاہر ہو جاتے ہیں وہ اگر ہزاروں پردوں میں چھپے اور اپنے آپ کو چھپالے مگر چھپا نہیں رہتا۔ سچ کہا ہے۔ عشق پوشک را نتوان نہفتن۔ جن لوگوں کو محبت الہی ہوتی ہے وہ اس محبت کو چھپاتے ہیں جس کو انکے دل بے زیرِ پوشا ہوں بلکہ اسکے افشا پر وہ شرمندہ ہوتے ہیں کیونکہ محبت اور عشق ایک راز ہے جو خدا اور اسکے بندہ کو درمیان ہوتا ہے اور ہمیشہ راز کا فاش ہونا شرمندگی کا موجب ہوتا ہے کوئی رسول نہیں آیا جسکا خدا سے راز نہیں ہوتا۔ اسی راز کو چھپانے کی خواہش اسکے اندر ہوتی ہے مگر معشوق خود اسکو فاش کرنے پر چیر کرتا ہے۔ اور جس بات کو وہ نہیں چاہتے

وہی انگوٹھی ہے۔ جو چاہتے ہیں ان کو ملتا نہیں اور جو نہیں چاہتے ان کو جبراً ملتا ہے۔ جب تک انسان اونٹنے حالت میں ہوتا ہے اسکے خیالات بھی اونٹنے ہی ہوتے ہیں اور جس قدر معرفت میں گرا ہوا ہوتا ہے اسی قدر محبت میں کمی ہوتی ہے معرفت سے حسن ظن پیدا ہوتا ہے۔ ہر شخص میں محبت اپنے ظن کی نسبت سے ہوتی ہے انا عند ظن عبیدی لی سے یہی تعلیم ملتی ہے۔ صادق عاشق جو ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ پر حسن ظن رکھتا ہے کہ وہ اسکو کبھی نہیں چھوڑے گا۔ خدا تو وفاداری کرنا پسند کرتا ہے بلکہ وہ چاہتا ہے کہ انسان صدق دکھلاوے اور اس پر ظن نیک رکھے کہ تا وہ بھی وفادار کھلائے۔ مگر یہ لوگ کب اس حقیقت کو سمجھ سکتے ہیں۔ یہ تو اپنی ہواؤں ہوس کے بتوں کے آگے جھکے رہتے ہیں اور ان کی نظر دنیا تک ہی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو کریم و رحیم نہیں سمجھتے اسکے وعدوں پر ذرا ایمان نہیں رکھتے اگر اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر ایمان رکھتے کہ وہ رحیم و کریم ہے تو ابھی ان پر رحمت اور وفا کے ثبوت نازل کرتا۔ سہ گروں پر خدا اثر کرتا۔ یہ یمنان کنز ملک ملک بودے + شریک ظنی سے پیدا ہوتا ہے۔ قرآن شریف کو اول سوا آخر تک پڑھنے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ سے بد ظنی مت کرو۔ اللہ کا ساتھ نہ چھوڑو۔ اسی سے مدد مانگو۔ اللہ تعالیٰ ہر میدان میں مومن کی مدد کرتا ہوا اور کہتا ہے کہ میدان میں میں تیرے ساتھ ہوں۔ وہ اسکے لئے ایک فرقان پیدا کر دیتا ہے جو اسکے وعدوں پر بھروسہ نہیں کرتا وہ بد ظنی کرتا ہے جو شخص خدا سے نیک ظن کرتا ہے وہ اسکی طرف رجوع کرتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ سے بد ظنی کرتا ہے وہ مجبور ہوتا ہے کہ اپنے لئے کوئی دوسرا معبود بنائے اور شرک میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ جب انسان اس بات کو سمجھتا ہے کہ خدا کریم و رحیم ہے اور اس بات پر ایمان صدق دل آتا ہے۔ کہ اسکے وعدے ٹھیک نہیں تو وہ اس پر ایمان خدا کرتا ہے اور دوسرے خدا سے عشق رکھتا ہے۔ ایسا انسان خدا کا چہرہ اسی دنیا میں دیکھ لیتا ہے نہ اطلح طرح سے اس کی مدد کرتا ہے اور اپنے انعامات اس پر نازل کرتا ہے اور اسکو تسلی بخشتا ہے اور محبت اور وفا کا چہرہ دکھاتا ہے لیکن یہ وفا خدا کا چہرہ نہیں ہے۔

”افغانوں اور کشمیریوں کی صل“

(ترجمہ از رسول بلٹری گزٹ لاہور)

جناب ایڈیٹر صاحب

اس مضمون پر پہلے بہت کچھ قلم فرسائی کی جا چکی ہے۔ اور مشہور و سرسبز اور وہ محققین

کی تحقیقات میں اس نتیجے پر پہنچی ہیں کہ افغان اور کشمیری بنی اسرائیل ہیں۔ امید کی جاتی ہے کہ میری یہ چند سطور بھی خالی از دل چسپی نہ ہوں گی۔ یہ ایک مشہور تاریخی واقعہ ہے کہ بنی اسرائیل کی بارہ قوموں سے دس قومیں گرفتار ہو کر ملک فارس میں آباد کی گئیں۔ موجودہ یہودی جو دنیا کے ایک بڑے پرمختصر ہونٹے ہوئے ہیں بنی اسرائیل کے ان دو قوموں کی اولاد ہیں جو کہ جلاوطنی سے بچ گئی تھیں۔ یہ امر بہت زیر بحث چلا آیا ہے کہ باقی دس قومیں کدھر گئیں اور اب مسئلہ قطعی طور پر حل ہو گیا ہے کہ اہل افغانستان و کشمیر انہیں دس قوموں کی اولاد ہیں جو جلاوطن کی گئی تھیں۔ افغانوں اور کشمیریوں کے بنی اسرائیل ہونے کی بہت سی شہادتیں موجود ہیں اور بعض ان میں سے ایسی قطعی ہیں کہ ان میں سے ایک ایک بھی بجائے خود ان قوموں کے بنی اسرائیل ہونیکا کافی ثبوت ہے۔ وہ شہادتیں مختصر حسب ذیل ہیں۔

(۱) قومی روایت کی شہادت۔

افغان بالاتفاق گواہی دیتے ہیں کہ بنی اسرائیل ہیں۔ انکے مشہور خاندانوں کے پاس شجرے اور نسب نامے ہیں جن سے انکا بنی اسرائیل ہونا ثابت ہوتا ہے ایک قوم کی متفق علیہ شہادت ایک ایسا زبردست ثبوت ہے جسکو ہم لا پرواہی سے نظر انداز نہیں کر سکتے انکا دعوے ضرور سچائی پر مبنی ہے۔ صرف موجودہ نسل ہی بنی اسرائیل ہونیکا دعوے نہیں کرتی بلکہ نسلاً بعد نسل افغان یہی دعوے پیش کرتے رہے ہیں۔ انکے نسب نامے انکے دعوے کی تائید کرتے ہیں پس ان کا یہ دعوے بے بنیاد نہیں ہو سکتا۔ اگر یہ بنی اسرائیل نہیں ہیں تو کیا وجہ ہے کہ یہ قوم قدیم سے بالاتفاق بنی اسرائیل ہونیکا دعوے کرتی چلی آتی ہے۔ پھر جب ہم دیکھتے ہیں کہ روئے زمین پر کوئی اور ایسی قوم موجود نہیں ہے جو کہ گم شدہ اسرائیل قبیلوں کی اولاد ہونیکا دعوے کرتی ہو تو یہ امر افغانوں کے دعوے کو اور بھی تقویت پہنچاتا ہے۔ اگر ہم افغانوں کو دعوے کو رد کر دیں تو ہمیں کوئی اور قوم بتلانی چاہئے جو کہ گم شدہ اسرائیلیوں کی نسل میں ہونیکا دعوے کرتی ہو۔ اسرائیل تو میں فارس میں قید ہو کر آئی تھیں اور افغانستان فارس کی سرحد پر واقع ہے۔ یہ بہت قرین قیاس ہے کہ وہ مشرق کی طرف بڑھی ہوں اور افغانستان اور کشمیر میں آباد ہو گئی ہوں + بائبل سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہان فارس ان سے بہت بدسلوکی کرتے تھے۔ ضرور وہ انکے ظلم سے بچنے کے واسطے مشرقی بلاد میں آکر آباد ہو گئی۔ انکی تعداد روز بروز بڑھتی جاتی تھی پس انکے واسطے ضرور تھا کہ وہ اپنے رہنے کے لئے اور گھر تلاش کریں۔

(۲) ظاہری خط و خال کی شہادت۔

ایک طرف تو افغان اپنی زبان سے بنی اسرائیل ہونیکا دعوے کرتے ہیں دوسری طرف انکے خط و خال بزبان حال بیان کر رہے ہیں کہ ہم بنی اسرائیل ہیں اور کشمیر ہمارے خط و خال افغانوں کی نسبت اور بھی زیادہ یہودیوں سے ملتے جلتے ہیں ان کے پڑوس میں چینی اور ہندو ہیں مگر انکے خط و خال افغانوں اور یہودیوں سے نہیں ملتے ایک یہودی ایک بچٹان اور کشمیری کو ایک صف میں کھڑا کر دو تو تم ضرور بول اٹھو گے کہ یہ اپنی ظاہری شکل و شبہات میں بالکل باہم مشابہ ہیں۔

(۳) لباس کی شہادت :- افغانوں اور کشمیریوں کا لباس بھی اس نتیجہ کی طرف رہنمائی کرتا ہے کہ یہ قومیں بنی اسرائیل ہیں۔ یہ برخلاف ہندوؤں اور چینیوں کے لمبے اور کھلے چنچے پہنتے ہیں جس کا رواج بنی اسرائیل میں تھا جیسا کہ اناجیل سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔

(۴) رسم و رواج کی شہادت :- ان کی بہت سی رسومات یہودیوں کی رسومات سے مشابہ ہیں۔ مثلاً افغان سنگنی اور شادی میں کوئی فرق نہیں کرتے اور شادی سے پہلے اکثر لڑکے اور لڑکی میں بے تکلفی رہتی ہے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ شادی سے پہلے عورتیں حاملہ بھی ہو جاتی ہیں۔

(۵) اخلاق و اطوار کی شہادت :- یہودیوں کی طرح افغان بھی زور در نج خود غرض سرکش۔ کندہن۔ جاہل۔ تند مزاج۔ خونخوار۔ سخت دل۔ کج رو۔ وغیرہ وغیرہ ہوتے ہیں + (۶) اسماء کی شہادت :- افغان صرف بنی اسرائیل ہونیکا دعوے ہی نہیں کرتے بلکہ انکے قبائل انکے پہاڑوں۔ اور انکے دریاؤں کے نام بھی۔ بزرگان اسرائیل کے نام پر رکھے گئے ہیں۔ مثلاً موسے خیل۔ تخت سلیمان۔ کوہ مری۔ کوہ سلیمان۔ زئی۔ داؤد زئی۔ یوسف زئی۔ درہ خیبر وغیرہ وغیرہ۔ علاوہ ازیں انک افغانوں اور کشمیریوں میں اسرائیلی ناموں کا بہت رواج پایا جاتا ہے۔

(۷) شہروں کے ناموں کی شہادت :- گویہ شہادت نمبر ۷ کے نیچے آسکتی تھی۔ مگر چونکہ یہ نہایت ضروری ہے اور خاصکر نزلے طرز کی ہے اس لئے میں نے اسکو ایک نئے عنوان کے نیچے رکھا ہے۔ افغانستان اور کشمیر میں بہت سے ایسے شہر ہیں جن کے نام شام کے قدیمی شہروں کے ناموں پر رکھے گئے ہیں جب ایک ملک کے لوگ کسی دوسرے ملک میں جا کر آباد ہوتے ہیں تو وہ اپنے نئے قرار گاہ میں ایک مصنوعی وطن بنالیتے ہیں۔ اپنے وطن کے خیال کو اپنے دماغ میں تازہ رکھنے کے واسطے وہ اپنے نئے شہروں اور دیہات کے نام اپنے اوطان مافوق کے ناموں پر رکھتے ہیں جن میں کہ وہ پہلے آباد تھے اور جنکی یاد کو وہ اپنے صندوق دل سے محو کرنا نہیں چاہتے انکے نئے ملک کے مقامات کے نام بتلاتے ہیں کہ وہ کس ملک سے نکل کر آئے۔ اسکی ایک عمدہ مثال امریکہ

کی آبادیوں میں ملتی ہے۔ جہاں اہل فرنگستان جا کر آباد ہو گئے ہیں۔ یہ لوگ اپنے عزیز شہر کے نام بھی اپنے ساتھ لے گئے۔ اور اپنے شہر کے گھر و مکے وہی نام رکھے جو ان کے قدیمی گھر و مکے نام تھے اگر صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ حسب الوطنی ایک ایسی چیز ہے کہ جہاں کہیں آدمی جا کے اپنے ملک کے نام بھی وہیں ساتھ لے جاتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان دس بنی اسرائیلی قوموں نے بھی اسی حسب الوطنی کا ثبوت دیا ہے۔ افغانستان اور کشمیر میں بہت سے شہر اور اضلاع ایسے ہیں جن کے نام ملک شام کے قدیمی شہر و مکے ناموں سے ملتے ہیں۔ مین چیچا ایسے ناموں کی ایک فہرست دیتا ہوں۔ اور امید کر اگر اس امر کی طرف زیادہ توجہ کی جائے تو اور بھی ایسے بہت سے نام نکل آویں گے۔

افغانستان کشمیر وغیرہ کی جگہوں کے نام	کہاں واقع ہیں		قدیمی شام میں سکے ہم نام مقام	قدیمی شام کے نقشہ میں کہاں کہاں واقع ہیں۔		بائبل میں کہاں ذکر ہے
	عرض البلد	طول البلد		عرض البلد	طول البلد	
	شمال	مشرق		شمال	مشرق	
کابل	۳۴° ۱۹'	۶۹° ۱۵'	کابل	۳۲° ۱۵'	۳۵° ۱۲'	سلاطین ل باب ۱۲ میں ذکر ہے
پونچھ	۳۳° ۵۲'	۷۴° ۱۳'	قونیشیا	۳۲° ۱۳۰	۳۵° ۲۵'	
زیدا	سرخدہ		زایدین اور زیدین	۳۳° ۳۴'	۳۵° ۲۲'	باب ۲۸ آیت قاضیوں
حس	لداخ کے نزدیک		حس	۳۵° ۱۱'	۳۵° ۱۳'	
			حمت	۳۲° ۲۵'	۳۵° ۳۵'	
			حس	۳۲° ۵۰'	۳۶° ۳۹'	
گلگت	۳۶° ۱۲'	۷۴° ۱۲'	گلگت تھا	۳۱° ۴۴'	۳۵° ۱۴'	متی ۲۴ باب ۳۵
			گلگال	۳۲° ۱۹'	۳۴° ۵۹'	یشوعا ۲ باب ۱۹ و ۱۰ باب ۵ باب ۱۱
			گلگال	۳۱° ۵۰'	۳۵° ۳۰'	قاضیوں ۲ باب ۸ در دوسری جگہ
تبت	۳۲° ۲۰'	۸۹° ۱۵'	تبت			باب ۸ - تواریخ
لاسہ	۲۹° ۳۰'	۹۲° ۱۱'	لاشا - لیش	۳۳° ۱۶'	۳۵° ۲۰'	باب ۲۱ و ۲۲ قاضیوں
لداخ	۳۲° ۱۰'	۷۷° ۳۰'	لداخ			باب ۲۱ تواریخ
بیج	۳۴° ۱۲'	۷۷° ۳۹'	بھی ایک قلعہ ہے			باب ۱۵ قاضیوں
سورو	۳۳° ۱۰'	۷۶° ۱۰'	شور	۳۰° ۵۵'	۳۳° ۵۵'	باب ۲۰ و ۲۱ باب ۲۵ و ۲۶
سکیت	۳۱° ۳۰'	۷۷° ۱۰'	سکو تہہ رحال سکوت	۳۲° ۵۱'	۳۵° ۳۷'	پیشا ۳ باب ۱ اور دوسری جگہ

(۸) اناجیلی شہادت :- اس بات کی اناجیل بھی تائید کرتی ہیں کہ افغان کشمیری گم شدہ اسرائیلی قبیلوں کی اولاد ہیں کیونکہ اناجیل میں لکھا ہے کہ جب حضرت مسیح پیدا ہوئے تو مشرق کے چند حکما ایک ستارے کی رہنمائی سے ملک شام کو حضرت مسیح کی زیارت کرنے کے لئے گئے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرق میں ایسے لوگ موجود تھے جنکو حضرت مسیح کے آئینکا انتظار تھا۔ اور انہوں نے اپنے ظہور کے لئے بعض نشان بھی مقرر کئے تھے۔ سوائے بنی اسرائیل کے کسی قوم کو مسیح کے آئینکا وعدہ نہیں دیا گیا تھا۔ اس سے ثابت ہوا کہ حکما ابھی بنی اسرائیل میں سے تھے۔ جو ایک ستارہ دیکھ کر ملک شام کو مسیح کی زیارت کے لئے گئے۔ جب انہوں نے ستارے کو دیکھا تو انہوں نے نتیجہ نکالا کہ وہ مسیح جسکے ظہور کا یہ ستارہ نشان ہے۔ ملک شام میں پیدا ہو گیا ہے جو کہ بنی اسرائیل کا اصل وطن ہے اسلئے وہ ملیا قاصد ملے کر کے مسیح کی زیارت کو آئے۔

(۹) قبر کی شہادت :- سرنگ پور میں ایک قبر ہے جو کہ بنی صاحب کی قبر کے نام سے مشہور ہے یہ قبر بھی میرے نزدیک انکے بنی اسرائیل ہونے کی ایک دلیل ہے۔ لفظ بنی قابل غور ہے۔ اگر یہ تھور ہندوستان کا رہنے والا ہوتا تو بدھ یا اوتار یا رکھی وغیرہ ناموں سے مشہور ہونا چاہئے تھا کہ بنی کے نام سے۔ لفظ بنی سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ بنی اسرائیل قوم کا بنی تھا۔ چونکہ بنی کا لفظ اسیر کی بنی پر ہی بولا جاتا ہے مسلمان بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بنی کہتے ہیں مگر یہاں ہمیں مسلمانوں سے تعلق نہیں کیونکہ کشمیر کا بنی مسلمانوں کا پیغمبر نہیں ہو سکتا۔ مسلمانوں کا ایک ہی بنی ہے جو کہ عرب ہی میں پیدا ہوا اور عرب ہی میں وفات پائی۔ پس سرنگ پور کا بنی ضرور ایک اسرائیلی بنی تھا اور کشمیر کے دار الخلافہ میں ایک بنی کی قبر کا ہونا اس امر کی قطعی شہادت ہے کہ اناجیل کشمیر بنی اسرائیل ہیں اور اس امر پر یقین نہیں کرنا چاہئے کہ کیونکہ کشمیر میں ایک بنی آیا۔ بنی اسرائیل خدا کی ایک برگزیدہ قوم تھی اور خدا تعالیٰ ہمیشہ انکی طرف بنی بھیجتا رہا۔ اور سرنگ پور کی قبر بنی ہے۔ کہ جس طرح خدا تعالیٰ ان باقی ماندہ اسرائیلی قوموں کی طرف جو کہ ملک شام میں رہ گئی تھیں بنی بھیجتا رہا۔ اسی طرح اس نے گم شدہ اسرائیلی قوموں کی طرف بنی بھیجا۔ اگر یہ تو میں غیر ملک میں رہتی تھیں تو اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ وہ اپنے قومی حقوق کھو بیٹھی تھیں اب بھی یہ تو میں ایسی بنی اسرائیل تھیں جیسا کہ وہ پہلی تھیں۔ جبکہ بنی اسرائیل غلاموں کی طرح ملک مصر میں رہتے تھے تو اس وقت خدا تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبی بنا کر ان کی طرف بھیجا۔ ایسا ہی جب یہ تو میں جلا وطن ہو کر مشرق میں رہتی تھیں تو خدا تعالیٰ نے ان کی طرف ایک بنی بھیجا جسکا زار محلہ خانیار سرنگ پور میں اب تک موجود ہے۔

انجیل میں جو چند حکما کا مشرق کی طرف سے ملک شام میں جانا ذکر ہے۔ اس سے

صرحاً معلوم ہوتا ہے کہ مشرقی لوگ ایک نبی کے ظہور کا انتظار کر رہے تھے اور سرنگیری میں مبتلا تھے کہ خدا تعالیٰ نے ان کی امیدوں کو پورا کیا۔ حق تو یہ کہ مشرقی اسرائیلی قومیں شام کے بنی اسرائیل کی نسبت اس بات کی نسبت زیادہ مستحق تھیں کہ ان کی طرف ایک نبی بھیجا جاوے۔ کیونکہ شام میں صرف دو قومیں رہتی تھیں اور مشرق میں دس قومیں آباد تھیں اگر خدا تعالیٰ نے شام کی دو قوموں کی طرف ایک مسیح بھیجا اپنے وعدہ کو پورا کیا تو کیوں اسے مشرقی دس قوموں کو اس نعمت سے محروم کیا۔ سرنگیری کی قبر شہزادہ نبی یوز آسف کی قبر کہ ہائی ہے کشمیر کے لوگ اور کشمیر کی تاریخ بالاتفاق یہ شہادت دیتے ہیں کہ یہ نبی قریبا انیس سو برس ہوئے کہ شام کی طرف سے اس ملک میں آیا اور کچھ مدت و غلط کرتا رہا آخر اس جگہ وفات پائی

اور محلہ جانیار میں مدفون ہوا +

(۱۰) مشہور محققین کی شہادت :- میں اخیر میں چند محققین کی رائے درج کرتا ہوں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ افغان اور کشمیری بنی اسرائیل ہیں۔ سول اینڈ ملٹری گزٹ لاهور ص ۳۳۔ نومبر ۱۹۱۷ء میں ایک مضمون سوانیوں اور فریدیوں کی بابت شائع ہوا تھا جسکو ایڈیٹر نے نہایت ہی قیمتی اور دلچسپ مضمون بیان کیا ہے اس مضمون کا لکھنے والا مسٹر ماس ہولڈنگ اس طرح پر لکھتا ہے۔ ”افغان اپنے آپ کو بنی اسرائیل کہتے ہیں اگر اس قوم کا بنی اسرائیل کے ساتھ قدیمی تعلق نہ مانا جاوے تو پھر یہ بیان کرنا مشکل ہوگا کہ ان میں عام طور پر بنی اسرائیلی نام رائج ہیں۔ ان کا قول کسی سچی بنیاد پر قائم نہیں ہے تو کیا وجہ ہے کہ ان میں بغض یہودیوں کی رسومات پائی جاتی ہیں۔ مثلاً عید فصح کا منانا وغیرہ۔ افغانوں میں جو نہایت ہی تعلیم یافتہ ہیں۔ وہ اپنا بنی اسرائیل ہونا بڑے اصرار سے بیان کرتے ہیں۔ میرے نزدیک افغانوں کا مسئلہ صحیح طور پر اس طرح حل ہوتا ہے۔ اگر یہ مانا جاوے کہ یہ بنی اسرائیل ہیں جو قدیمی راجپوتوں میں مل جاتے۔“

ایچ ڈبلیو بلیو۔ سی ایس آئی۔ اپنی تصنیف اقوام افغانستان کے صفحہ ۱۵ پر لکھتے ہیں ”ان لوگوں کی روایت ہے کہ ہمارا اصل وطن ملک شام ہے جہاں سے نجات نصرت میں قید کر کے لے آیا اور فارس اور آمید یہ کے مختلف حصوں میں آباد کیا ان مقاموں سے انہوں نے مشرق کی طرف نقل مکان کیا۔ اور غور کے پہاڑی علاقوں میں آباد ہو گئے۔ اس کی تائید میں بنی اسد اس کی بھی شہادت ہے۔ جو کہتا ہے کہ اسرائیل کی دس قوموں نے آزر ت کے ملک میں پناہ لی۔ یہ خیال کیا گیا ہے کہ آزر ت وہ علاقہ ہے جسکو آج کل ہزارہ کہتے ہیں۔ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ سمسا ہی خاندان کے زمانہ میں افغانستان میں ایک قوم رہتی تھی جنکو

بنی اسرائیل کہتے تھے اور ان میں بعض ارد گرد کے ممالک کے ساتھ تجارت بھی کرتے تھے۔ کرنیل جی بی فیلسن سی ایس آئی۔ اپنی کتاب تاریخ افغانستان میں اس طرح پر لکھتا ہے۔ عبدالمد خان اور دوسرے افغان مصنفوں کی پیروی کر کے فیئر صاحب کی یہ رائے ہے۔ کہ افغان دس گم شدہ اسرائیلی فرقوں کی اولاد ہیں۔ اور بھی کئی محققین اس رائے کے ساتھ اتفاق کرتے ہیں چنانچہ سر ولیم جونز جیسا عظیم الشان آدمی بھی یہی عقیدہ رکھتا ہے۔

اے کے جونسٹن افغانوں کی مندرجہ ذیل روایت بیان کرتا ہے۔ ”جب نادر شاہ پشاور میں پہنچا۔ یوسف زئی قوم کے سرداروں نے ایک بائبل اسکے آگے پیش کی جو کہ عبرانی میں لکھی ہوئی تھی اور کئی اور چیزیں بھی پیش کیں جو کہ وہ اپنی قدیمی عبادت میں استعمال کیا کرتے تھے جنکو انہوں نے حفاظت سے رکھا ہوا تھا جو یہودی لشکر کے ساتھ تھے انہوں نے ان چیزوں کو فوراً بچان لیا۔“ اسی بلفور۔ ایل آر۔ مصنف ان سکلوپیڈیا آف انڈیا۔ لکھتا ہے ”افغانوں کی شکل یہودیوں سے ملتی ہے۔ ایک رسم میں افغان یہودیوں کی پیروی کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ چھوٹا بھائی اپنے بڑے بھائی کی بیوہ سے شادی کر لیتا ہے۔ ڈاکٹر میسن بعض رسومات کا ذکر کرتا ہے۔ جو یہودیوں کی رسومات سے ملتی ہیں جو کہ درہ خیبر کے کونون میں پائی جاتی ہیں ان کے بال مشرقی یہودیوں کی طرح ہوتے ہیں۔“

جینس بائی۔ ایم۔ اے۔ ایف جی۔ ایس۔ اپنی کتاب ان سکلوپیڈیا آف جاگرافی میں لکھتا ہے۔ ”تمام سیاح اس بات پر متفق ہیں کہ افغانوں میں اور گرد نواحی قوموں میں بڑا فرق ہے۔ اور سب نان ایک ہی نسل کے معلوم ہوتے ہیں یہ اپنی شکل اور خط و خال میں یہودیوں سے بہت ملتے جلتے ہیں۔“ مصنف اہل کابل کی نسبت ذکر کرتا ہوا کہتا ہے کہ یہ لوگ دراز قد ہوتے ہیں سیاہ آنکھوں نایاب خط و خال والے اور انکے چہرے بالکل یہودیوں کی طرح ہیں۔

ہنری۔ بی۔ اسکلوپیڈیا برطانیہ میں افغانستان پر لکھتا ہوا کہتا ہے کہ اس ملک کی عورتیں یہودیوں جیسی خوبصورت خط و خال رکھتی ہیں اور یہی بات مردوں میں بھی پائی جاتی ہے۔ کے جیمسٹن اپنی کتاب ڈکشنری آف جاگرافی میں کشمیر کی عورتوں کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے۔ یورپ کی اور خوبصورت ہوتی ہیں۔ ان کی ناک ترچھی اور خط و خال بالکل یہودیوں سے ہوتے ہیں۔ بنس برنیس اپنے سفر نامے میں لکھتا ہے کہ جب میں ملک کشمیر میں داخل ہوا اور پیر پچال سے آگے تو دیکھ کر میں بہت حیران ہوا کہ دیہات کے باشندے بالکل یہودیوں سے مشابہ تھے انکے خط و خال اور وہ ناقابل بیان خصوصیت جسکے ذریعہ سے سیاح مختلف قومین تمیز کر سکتے ہیں۔ تمام اس بات کی شہادت دیتے تھے کہ یہ لوگ بنی اسرائیل ہیں اور اسے صرف میرا دم ہی نہیں خیال

کرنا چاہئے بلکہ ان لوگوں کا یہودیوں سے شکل میں مشابہ ہونا ہمارے فرقہ خروائیٹ کے پادری اور کئی اور اہل فرنگ نے بھی میرے یہاں آئیے بہت پہلے بیان کیا ہے۔ آرچیبلڈ کانٹیل جس برنبرک کے سفر نامے کو فرانسیسی سے انگریزی میں ترجمہ کیا ہے صفحہ ۳۰ پر لکھتا ہے۔ وہ بہت سے اہل کشمیر کا اپنے خط و خال میں یہودیوں سے متشابہ ہونا ناممکن حال کے بہت سے سیاحوں نے بیان کیا ہے۔ والسلام۔

”یسوع کی صلیبی موت پر علمی نظر“

عیسائیوں کے اجماع رائی فینی مورنہ ۲ اپریل سنہ ۱۹۰۷ء میں ایک صاحب ڈاکٹر ایم بی صاحب لکھتے ہیں کہ یسوع کی موت انشقاق القلب (دل کا خود بخود بغیر بیرونی صدر سے پھٹ جانا) متعلق ہے اور اپنے بیان کی تائید میں ڈاکٹر سمپسن اور بعض دیگر صاحبان کی سندشیں کی ہیں مگر اس بیان کی تصدیق یسوع کی کہانی کے واقعات سے نہیں ہوتی۔ ہر ایک متعصب ڈاکٹر جو ایک لمحہ کھیلے اس مضمون پر غور کرے گا فوراً اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ تین یا چار گھنٹے صلیب پر لٹکا رہنے انشقاق القلب سے موت واقع نہیں ہو سکتی۔

انجیل میں یسوع کا قصہ پڑھنے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ واقعہ صلیب کے دن وہ ایک پورا صبح صبح القویٰ موٹا نازہ تیس برس کا جوان تھا جو باغون اور عمدہ آب و ہوا کی جگہوں میں سیر کیا کرتا کھانے پینے اور پسند و نصیحت میں راکرتا تھا۔ دلیرانہ تقریریں کرنے میں اپنی زندگی فرے سے تھا۔ اس واقعہ سے پہلے وہ کسی مصیبت میں نہیں پڑا تھا۔ فی الحقیقت اناجیل سے اس کا مثلاً وجع المفاصل اور دل کی بیماریاں وغیرہ میں مبتلا ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ صلیب کے وقت بہادری سے مقدمہ کی پیروی کرتا رہا اور جب موت کا حکم سنایا گیا تو اسکو کچھ غش نہیں آیا۔ لکھتا ہے کہ وہ اپنی صلیب آپ اٹھائے ہوئے گلگٹا (مقتل) میں پہنچا جس سے ظاہر ہے کہ اس وقت بھی بوجھ اٹھا کر دو تک چلنے کی طاقت رکھتا تھا۔ برعکس اسکے انشقاق القلب ہمیشہ آدمی کو جب تک دل پیچ رہی ہے بیمار اور کمزور ہوتے ہیں واقع ہوتی ہے (ملاحظہ کرو برسٹو کی طب صفحہ ۵۳۰ رابرٹس صفحہ ۶۱۶ اور پیر جلد دوم صفحہ نمبر ۱۲۶)

علامات۔ اب ان علامات کا جو انشقاق القلب میں واقع ہوتی ہیں یسوع کی صلیبی علامات سے

کہتے ہیں۔ انشقاق القلب میں دل کے مقام پر بہت سخت درد ہوتا ہے تو نفس میں سخت دقت پیدا ہوتی ہے

کامل بیہوشی ہوتی ہے پسینہ کثرت سے آتا ہے۔ کلا گھٹتا ہے اور سخت درد سر کے بعد کچھ گھنٹوں میں مرجاتا ہے (برسٹو صفحہ ۵۳۹) بعض دفعہ دھڑکا جاتا ہے برعکس اسکے یسوع جب صلیب پر باندھا گیا تو اپنی والدہ اور حواریوں اور دو چورون سے بخوبی باتیں کرتا رہا۔ بالآخر اس نے کہا کہ مجھ پر یاسر لگی ہے چنانچہ اسکو سرکہ پلایا گیا۔ پھر اس نے کہا کہ اب وقت آگینا ہے اور سر جھکا کر جان دیدی (یوحنا) یسوع چلا کر بولا اور پھر جان دیدی (امتی) اور یسوع جب بلند آواز سے چلا چکا تو اس نے کہا کہ باپ اپنی روح تیرے ہاتھ دیتا ہوں۔ اور یہ کہہ کر جان دی (لوقا) اسے ظاہر ہوا کہ یسوع کو نہ تنفس میں دقت معلوم ہوئی اور نہ سیدھے میں درد ہوا اور نہ بھینچتی ہوئی اور نہ کامل بیہوشی ہوئی جیسا کہ کتب طب میں انشقاق القلب کے علامات میں لکھا ہے۔

علامات بعد الموت۔ مسٹر ام بی نے اپنے خیال کی تائید میں خون اور پانی پر جو یسوع کی پسلی سے نکلا تھا بہت زور دیا ہے اور خیال کرتا ہے کہ یہ انشقاق القلب کا بڑا بھاری ثبوت ہے اسکا مطلب وہ یہ بیان کرتا ہے کہ جب دل بھٹ گیا تو خون دل کے غلاف میں اکٹھا ہو کر جھگیا اور بعد میں خون کا قطرہ اور پانی دو حصوں میں تقسیم ہو کر باہر نکل آیا۔ یہ امر بالکل ناممکن ہے کہ یسوع کے بظاہر جان دینے اور سپاہیوں کے بھال چھونکے درمیانی وقفہ میں جو بہت کم ایک گھنٹہ سے بھی زیادہ نہ تھا ایسی جلدی منجمد ہو گیا ہو۔ ٹیلر اپنی ٹکیل جو رسپرڈنس جلد اول صفحہ ۵۱۷ میں لکھتا ہے۔ کہ خون مردہ جسم میں نسبت بیرونی ہوا کے دیر میں جمتا ہے۔ چنانچہ ۴ سے ۶ گھنٹہ تک سیال حالت میں رہتا ہے۔ بکسٹر ڈان صاحب لکھتے ہیں کہ بارہ گھنٹہ تک نہیں جمتا۔ اور ۴ گھنٹہ سے کم میں کسی صورت میں نہیں جم سکتا۔ کار پنٹر صاحب اپنی فیزی آلوجی صفحہ ۱۸۷-۱۸۹ میں لکھتے ہیں کہ بعض حالتوں میں مردہ جسم میں خون بالکل نہیں جمتا اگر جمتا ہے تو پورا نہیں جمتا اس سے ظاہر ہوا کہ مسیح کے جسم میں جان نکلنے کے بعد ایسی جلدی خون نہیں جمتا تھا۔ برسٹو صفحہ ۵۳۹ میں لکھتا ہے کہ دل کا غلاف بعد از موت خون سے پُر پایا جاتا ہے یعنی کچھ تو پانی اور کچھ خون جما ہوا ایک تھیلی کی شکل میں دل کے گرد ہوتا ہے اگر فرض بھی کر لیں کہ دل بھٹ گیا تھا۔ اور خون کے باہر دو حصے ہو گئے تھے یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ جبے ہوئے خون کی وہ تھیلی جو دل پر لپٹی ہوئی ہے وہ سپاہی کے برچھے کے چھوٹے سوراخ سے فوراً باہر نکل آئے۔ ڈاکٹر ام بی صاحب مہربانی فرما کہ اس معما کو حل کریں۔ یوحنا کہتا ہے ”ایک سپاہی نے برچھے سے اس کی ایک جانب چھیدی اور فوراً دھان سے خون اور پانی نکل آیا“ اس میں لفظ ”جانب“ اور ”فوراً“ کا قابل غور ہے۔ ڈاکٹر ام بی بلاوجہ جانب سے مراد بائیں جانب لیتا ہے اور خصوصاً دل کا مقام۔ گویا کہ سپاہی علم ڈاکٹری میں خوب ماہر تھے

اور جانتے تھے کہ موت کا باعث کہاں واقع ہے اور اسلئے انہوں نے ٹھیک دلیہ پر چھاما مارا۔ ہم کوین
 نہ جانب سے دائیں جانب مراد لین یا سیٹ اور بغل مراد لین۔ لفظ فوراً کے ظاہر ہو کہ چھپا
 چھپتے ہی معافوں اور پانی باہر نکل آیا اور جسم ہوئے خون کی تھیلی کا اتنی جلدی ایسے چھوٹے سورخ
 سے باہر نکل آنا غیر ممکن ہو۔ مزید برآں اگر خون جم ہی گیا تھا تو پہلے پانی نکلنا چاہئے تھا نہ کہ خون
 کیونکہ ایسی حالتوں میں ہمیشہ پانی پہلے نکلتا ہے اور خون کا لو ٹھہرا بیچھے۔ لیکن انجیل میں خون
 پہلے ہے اور پانی پیچھے۔ مذکورہ بالا بیان سے صاف ظاہر ہے کہ سائنس کی تحقیقات کے
 بموجب یسوع کا دل نہیں پھٹا تھا۔ اب دیکھنا چاہئے کہ یسوع کو حقیقت میں صلیب کے وقت
 کیا صدمہ پہونچا۔ باوجودیکہ صلیب کے واقع سے پیشتر یسوع تندرست طاقتور اور جوان تھا۔ مگر انجیل
 سے یہ بات ظاہر ہو کہ اس موقع پر اس کے مخالفوں نے اسکو کسیدہ جسمانی تکلیفیں دیں۔ اسکو بیت
 لگوائے کھانیکو کچھ نہ دیا اور اس کی صلیب اس سے اٹھوائی اس کے ہاتھوں کو کڑی پر بنج سے
 کھٹو لگایا۔ جس سے اسکو درد بھی ہوا ہو گا اور تکلیف بھی پہونچی ہو گی اور کچھ خون بھی نکلا ہو گا۔ یہاں
 کہ وہ جیلا اٹھا۔ کڑی ایلی ایلی لما سبتقتانی یعنی میرے خدا مجھ کو کیوں چھوڑ دیا۔ پھر اسکو پیاس لگی
 اور سرکہ یا شراب پلائی گئی پھر سر جھکایا اور غشی آگئی۔ اس کے دوست کھڑے تھے۔ اور سیاہی۔
 تاریکی اور زلزلہ سے ڈر گئے تھے اور اسکو نیک خیال کرتے تھے۔ چنانچہ ان کے دروغہ نے خدا کی حمد
 کے بعد یہ کہا کہ یہ ایک راستباز مرد تھا (لوقا) انکو یہ بھی معلوم تھا کہ حاکم یسوع کی جان بچا جاتا
 ہے۔ ایسے وقت یسوع کے دوستوں کو موقع ملا اور اس کی جان بچانے میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت
 نہ کیا اور فوراً کارروائی شروع کر دی یعنی جھٹ پٹ پٹ پٹ لگا لگا اسکو سولی سے اتار لیا اور اسکو
 ایک کھلے مقبرہ میں لے گئے اس کے زخموں پر مرہم پٹی لگائی گئی۔ اور مقوی دل ادویہ اور خوشبوئیں
 اس کے پاس چھادیں تاکہ اس کی غشی دور ہو اور جب اسکو اٹھو کی طاقت ہو گئی تو پیشتر سے
 کہ یہودی جو اپنا سبت منار ہے تھے خبردار ہو کر مقبرہ کی حفاظت کر۔ نہ کسی دور کے کاؤن میز
 اسکو لے گئے وہاں جب اسکو آرام ہوا تو وہ ان حواریوں سے ملا جو اس راز میں شریک نہ تھے
 تاکہ انکو یقین دلائے کہ صلیب کی لعنتی موت سے وہ معجزانہ طور سے بچ گیا اور انکو اپنے زخمی ہاتھ دکھا
 پھسلی وغیرہ کھائی اور زندہ آدمیوں کی طرح کاروبار میں مشغول ہوا۔

مذکورہ بالا بیان کا علمی ثبوت حسب ذیل ہے۔

اول۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ یسوع کے وقت میں صلیب کے موت بہت دیر میں واقع ہوتی
 تھی کئی دنوں تک مصلوب بھوک پیاس اور درد اور ضعف وغیرہ میں مبتلا ہو کر مر جاتا تھا۔ مزید
 برآں ایسے واقعات بھی پیش آتے تھے کہ دو تین روز مصلوب رہنے کے بعد بھی بچ جاتا تھا ایسی

حالتوں میں کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ یسوع تین چار گھنٹے سولی پر چڑھے رہنے سے ایک بیک مر گیا تھا کہ نہ کوئی عضو ٹیسیہ بیمار یا مضر و پیا تھا اور نہ اس کی ٹانگیں توڑی تھیں۔ بات یہ ہے کہ جان دینے سے مطلب غشی کا ہونا ہے اور اپنے دشمنوں سے بچنے کے واسطے ہوش میں آکر بھی وہ چپ چاپ پڑا رہا ہو یا ممکن ہے کہ آخری وقت میں جب اسکو سرکہ پلایا گیا تو اس میں کوئی مسکرانے والا فیون وغیرہ جس سے وہ بیہوش ہو جائے دیا گیا ہو کیونکہ یوحنا لکھتا ہے کہ سرکہ پینے کے بعد فوراً اس نے جان دیدی۔ یقین ہے کہ اسکے دولت مند مرید یوسف نے جو آرمینیا کا رہنے والا تھا کوئی ایسی تجویز اپنے مرشد کے بچانیکے لئے کی ہوگی۔

دوم۔ لیکن ایک سپاہی نے اس کی جانب میں برچھا چھو یا اور فوراً خون اور پانی نکل آیا۔ (یوحنا ۱۹: ۳۴) اس کلام میں فوراً کے لفظ سے صاف ظاہر ہے کہ زندہ خون جو قلب کی حرکت سے جلد میں دوران کر رہا تھا اسکے جسم سے فوراً کے کی طرح فوراً چھوٹ پڑا۔ جیسا کہ زندہ جسم میں ہمیشہ ہوتا ہے۔ جب خون نکل چکا اور برچھا کچا اور اندر گھسا تو پانی نکلا یا اغلباً مثلاً یا اگر وہ سے یا کسی رسولی وغیرہ سے نکلا ہوگا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ معدہ سے آیا ہو کیونکہ یسوع نے اسی وقت سرکہ پیا تھا۔ اور معدہ کے زخموں سے ہمیشہ موت واقع نہیں ہوتی۔

سوم۔ یوحنا کی مسیوین فصل سے صاف ظاہر ہے کہ دو دن کے بعد اسکا جسم مقبرہ میں نہیں پایا گیا لیکن اور رومال موجود تھا لیکن جسم نہیں تھا۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ کوئی شخص یسوع کو بھیس بدلوا کر لے گیا۔ "میں ابھی باپ کے پاس نہیں چڑھا" اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اسکا جسم زمین پر زندہ موجود تھا اور یہ ہم پہلے لکھا ہے کہ جسم مقبرہ میں نہیں تھا تو معلوم ہوتا ہے کہ زمین پر کسی جگہ تھا۔ اُس نے ان کو اپنے ماتھے اور اپنا پہلو دکھایا جس سے ظاہر ہے کہ وہ جسم عنصری کی صورت میں جس پر زخموں کو نشان موجود تھا دکھائی یا نہ کہ روحانی صورت میں۔ "اس نے اُن پر پھونکا" جس سے ظاہر ہے کہ وہ سانس لیتا تھا اور اسکے پھیپھے اور دل باقاعدہ کام کرتے تھے۔ "اس نے انکو کہا" جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بول سکتا تھا۔ اور اسکا دماغ صحیح کام کر رہا تھا۔ پھر اس نے ٹامس سے کہا کہ اپنی انگلی لاؤ اور میرے ہاتھوں کے نشان دیکھا اور ماتھے اور میرے پہلو کو دیکھ بھال اور بے ایمان مت بن بلکہ یقین کر کہ میں وہی ہوں" جس سے صاف ظاہر ہے کہ جسم اور روح صلیب کے واقع کے بعد موجود تھے نہ کہ صرف روح +

چہارم۔ یوحنا کی ایکسوین فصل میں لکھا ہے کہ ان باتوں کے بعد یسوع پھر اپنے حواریوں کے روبرو بھر پوری پر ظاہر ہوا۔ اور یسوع نے انکو کہا کہ کچھ کچھ کھائیں۔ یسوع پھر

آیا اور کھانا کھایا اور انگودیا اور اسی طرح پچھلی بھی تقسیم کی۔ "مجھے یقین ہے کہ یہ خواب نہیں تھا۔ اور یسوع کھانا اور پچھلی کا کباب تو شکر رہے ہیں جس سے اسکے معدہ کی قوت اور بھوک کی شدت عیاں ہے۔ اور بیچارے سادہ لوح عیسائی اب تک اس خیال میں ہیں کہ وہ مردوں سے جی اٹھا تھا۔ افسوس ہے کہ بیسویں صدی جیسے علم و حکمت کے زمانہ میں بھی لوگ ایسا عقیدہ رکھتے ہیں اسی ایپی فینی کے دوسرے مقام میں اڈیر صاحب کو مسیح کی صلیب کی موت میں شک پیدا ہوا ہے۔ اور ایسوجہ سے انہوں نے ایک نئی تھیوری مسیح کی موت کی نسبت قائم کی ہے۔ وہ یہ ہے کہ ان مصالح حیات اور ادویات کے بوجھ سے جو قیر میں رکھی گئی تھیں سالس رک کر موت واقع ہوئی۔ یوحنا کی بیسویں فصل سے ظاہر ہے کہ قیر اس قدر کشادہ تھی کہ آدمی اندر داخل ہو کر دیکھ بھال سکتا تھا جیسا کہ پطرس نے کہا۔ میں پوچھتا ہوں کیا یہ ناممکن ہے کہ سو پونڈ مرڈ (ایک ایسے بڑے کمرے میں پھیلا دے جہاں ایک آدمی کا بھی دم نہ گھٹے جو وہاں لیٹے ہوئے ہوں اور نہ میری رائے میں ان پٹیوں سے جو اسکے سر اور ماتھے پاؤں پر بند تھیں اسے کچھ تکلیف ہوئی۔ بلکہ میرے خیال میں مرہم پٹی سے یسوع کے زخموں کو آرام ملا۔ اور اس کی غشی بھی مصالح حیات سے دور ہو گئی۔ + راقم ایل۔ ایم۔ ایس

”ضروری عرضداشت و شکریہ ساقیین“

کثرت اشاعت و اعانت میگزین کے متعلق جس قدر حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تاکید فرمائی ہے اس تاکید ارشاد کے پرزور الفاظ کا اعادہ بغرض انکا ہی جملہ اجباب و برادران گذشتہ پیرستہ پرچہ جات میں شواہر کیا جاتا رہے اور جن پرچہ شش ماہیت و مخلص اجاب نے اس کار خیر میں محض بغیر عنایت اللہ خاص حصہ لیکر الگ الگ معتد بہ رقم سے اعانت فرمائی جو ان کی ایسی امداد کا تذکرہ بھی خاص شکریہ کے ساتھ پچھلے پرچہ جات میں ہونا رہا ہے بعض برادران کی تازہ خدمات و امداد از سر نو ایسے شکریہ کا تازہ موقعہ دیا ہے۔ جناب منشی عبدالعزیز صاحب عرف حمزہ وزیر خالص صاحب ملک برصمانے حال ہی میں ایک سو پچاس روپیہ بطور امداد بھیجا ہے۔ یہ صاحب پہلے حضرت اقدس کے ارشاد کی تعمیل میں کئی سو روپیہ کی امداد میگزین میں دیکھے ہیں۔ علی ہذا القیاس چودھری سرفراز خان و کرم الہی صاحبان بدو ملکی ضلع سیالکوٹ بھی خاص شکریہ کے مستحق ہیں جنہوں نے اب یکیشٹ اپ کی امداد فرمائی ہے۔ اصل میں چودھری صاحبان تین سو پچاس روپیہ امداد میگزین کیلئے لائے تھے۔ مگر لشکر کی ضروریات موجودہ کو دیکھ کر دو سو روپیہ امداد لنگر میں دیدیا۔ اور ایک سو پچاس روپیہ امداد میگزین کے حصہ میں آیا۔ ہر سہ برادران نے ہمدردی و اخلاص و ہمدی کا ایک تازہ قابل تقلید نمونہ دکھلایا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو اس امداد فی سبیل اللہ کی بڑے خیر دیو سے اور دیگر جملہ برادران کو ایسے نقش قدم پر چلنے کی توفیق بخشے اور انکی روح دروان کو ایسے جوش اور ہمدردی سے بھر دے کہ وہ پیارے امام صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فرمان پر ایسا مال و بیان شمار کرتے ہوئے اس کار خیر میں وہ ہمت دکھلاوین کہ حضرت اقدس کی فرمائی ہوئی تسادک رسالہ کے جلدی پہنچنے میں کوئی دقت پیش نہ آوے۔

حضرت اقدس کے تاکید ارشاد کی تعمیل اور اس رسالہ کثرت اشاعت کی ضرورت اس امر کی مقتضی ہیں کہ جلا جلا اب اس قابل قدر نمونہ کی تقلید کر کے حضرت اقدس کے ارشاد کو ہر وقت تازہ ارشاد سمجھ کر اس کی تعمیل میں ہر وقت کو شان رہیں ان کی یہ انگاروں فی سبیل اللہ کے لمحات و ارجح حاصل کر دینا و ریعہ ہوگی۔ تو شہ عقیقہ حاصل کر دینا عین موقعہ ہے۔ رضاعت کی بجائے اور کیا اس کو مؤثر و مستحسن مل سکتا۔ اب وقت کی قدر کر کے سابقہ پانچ اشیائیں اور جن اغراض کے لئے یہ سلسلہ میں اللہ مقرر ہو کر آیا ہے ان اغراض و مقاصد میں اسکی امداد کو کے معیت صادقین کی اعلا منزل کو طے کریں جو حقیقی کامیابی و فائز الہامی کا اصلی ذریعہ ہے۔ اللہ کو کے ایسا ہی ہو۔ آمین ثم آمین والسلام۔

منیجر

کبریت احمد یا جیون بوٹی کے استعمال سے ایک بیہوش تین سیر خون صلیح تازہ بدن انسان میں پیدا ہوتا ہے جوانی کی طاقت
دن البقہ قائم رہتی ہے۔ استعمال کرنی سے پہلے اور بعد بدن کو وزن کرو اور آواز ماؤ اس سے بڑھ کر بھیجی۔ مولد خون صلیح۔ مستحق۔
بدن کو مضبوط اور طاقتور خوش رنگ بنانے اور چہرے کی سترخی اصلی طاقت و توانائی و تازگی پیدا کرنے والی دلی دانی
ایسی جگہ ایک ایجاد نہیں ہوئی اس کا اثر ان اعضا پر جن پر نسل انسان کی پیدائش کا انحصار ہے بالخصوص جن نہایت قوی
ہوتا ہے۔ وہ خوشی جو عورت و مرد کی معاشرت و وابستہ ہوا سے فی الفور حاصل ہوتی ہے کبریت یا احمد اس کا نام اسی لئے رکھا گیا ہے
کہ یہ دو اعضا کے تولید کے پتھر وہ قوی کو از سر نو بحال کرنے کے ساتھ زندگی کو کمیاب بنا دیتی ہے جس سے قسمت فی شیشی
روغن در درگروہ۔ در درگروہ کے دورے اور تکلیفیں ایسی سخت ہوتی ہیں کہ الامان بیگمیب وغریب روغن در
بین خاصہ جب درد کند کی کیوجہ سے ہو اکیسرا کام دیتا ہے چھوٹے چھوٹے سنگریز دن کو تورا کر اور ریزہ ریزہ کر کے نہایت
سہولت سے خارج کر دیتا ہے۔ تمام کند کی اور ریت نکل کر در درگروہ کی نوبت پھر نہیں ہوتی۔ قیمت فی شیشی ۱۰ روپے
عجیب غریب مرہم المعروف مرہم عیسے۔ اگر آپ دنیا بھر میں سب سے اچھا پیر تاثیر تیر ہدف ہر قسم کے
زخمون۔ جراحاتون چون۔ گھٹائون۔ خنازیر سرطان طاعون اور ہر قسم کے خبیث زہریلے پھوٹو
پھنسیوں ناسور وان گچ خارش بوا سیرا و طرح کی جلد کی بیماریوں باخونکے سردی سے پھٹ جانے جانور کے
کاٹ لیتے جل جانے اور عورتوں کے خطرناک امراض سرطان رحم وغیرہ کے لئے ہزار ہا سال کا مجرب مقدس ہر طبقہ اور
ہر زمانہ کے حکم کا متفقہ بابرکت علاج چاہتے ہیں تو یہ مبارک مرہم اس کا رخصانہ سے منگائی جو اسکا خلاصہ
اجزاء سے تیار کر نیکادہ داس ہر طبی جہان اسکی کامیاب تاثیرات کا ممنون ہو یہ مشہور فاق مرہم سوا کا رخصانہ
مرہم عیسے کے دنیا بھر میں اور کہیں نہیں۔ قیمت فی ڈبیہ خورد ۶ روپے ۱۲ روپے ڈبیہ کلان ۲۰ روپے

عمدة التقويم سنة ١٢٠٠ هـ
حکیم محمد حسین ایند برادر مالکان کارخان مہرم علیہ السلام
رسالہ آئینہ صحت و شفا مفت

”ضروری استدعا“

جن جن برادران طرقت کو کسی انگریزی دوائی پیٹنٹ کی ضرورت ہو یا دہ کوئی انگریزی نسخہ

تیار کروانا چاہیں اور اپنے مقامی اسٹیشن میں کسی انگریزی دوائی خانہ کے نہ ہونیکے باعث نہیں

کسی اور شہر سے ادوات منگوانی پٹرین وہ بجائے کسی اور جگہ کھنسنے کو ادویات فراڈ پر سپرڈ کل ہو گا اور بیمار

سہ منگوا میں۔ دوکان کے متعلق ہم انہیں نقصان نہیں اور کان کا فائدہ اور ایک بھائی کی مدد +

فیہد الاسلام پر پیریں قادیان میں باہتمام حکیم مولوی فضلہ بنیفناج ہوا۔

اعلانت :- خلافت راشدہ روایت پر اور دیگر دانشمندانہ خیاب مولوی محمد الکریم صاحب تبریع ہیں۔ دروشتین بنام حکم فضل دین خان کا خلیفہ الاسلام فی حق بنی شیعہ۔

کتاب ۱۰۰ صوفیوں کی جاہلیہ

کتابخانه جامعہ اسلامیہ دارالعلوم دیوبند

(حصہ ۱) راجن پور محمد علی عبدالعزیز علی شائع ہوا قیمت ۳۰ روپے

سی الدین و کل شہر